دسمبر ۱۹۸۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★ حالیہ الیکشن کے چند خوش آئند پہلو

نئی صورت حال میں سیاستدانوں اور کارپردازانِ حکومت کی خدمت میں مخلصانہ مشورے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب جمعہ بتاریخ ۱۸ نومبر ۱۹۸۸ء

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

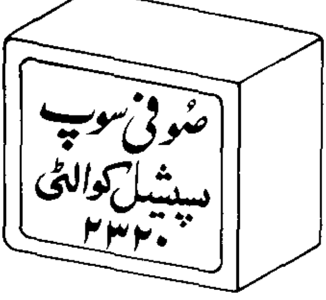

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ
ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

انجمن خُدّامُ القرآن سندھ کراچی

کے زیرِ اہتمام

۱۷ تا ۲۱ دسمبر ۸۸ء ریکس آڈیٹوریم صدر کراچی میں

اسلام کا نظامِ حیات

کے موضوع پر "محاضراتِ قرآنی" منعقد ہوں گے جن میں روزانہ بعد نمازِ مغرب

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسّس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ــــــ و امیر تنظیمِ اسلامی

درج ذیل موضوعات پر خطاب فرمائیں گے اور متعلقہ سوالات کے جواب دیں گے

- ★ ۱۷ دسمبر بروز ہفتہ — **اسلامی نظام کی نظریاتی اساس**
- ★ ۱۸ دسمبر بروز اتوار — **اسلام کا اخلاقی و روحانی نظام**
- ★ ۱۹ دسمبر بروز پیر — **اسلام کا سماجی و معاشرتی نظام**
- ★ ۲۰ دسمبر بروز منگل — **اسلام کا سیاسی و ریاستی نظام۔**
- ★ ۲۱ دسمبر بروز بدھ — **اسلام کا معاشی و اقتصادی نظام**

نوٹ: خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوگا، اجتماع کے بعد نمازِ عشاء باجماعت ادا کی جائے گی

المعلن: (سید) سراج الحق، صدر انجمن خدام القرآن سندھ

D-56، بلاک بی، نارتھ ناظم آباد، کراچی (فون: ۶۲۴۴۵۰)

(پشت پر بھی ملاحظہ فرمائیں)

ان شاء اللہ العزیز وبعونہٖ تعالےٰ

انجمن خدّام القرآن کے قرآنی محاضرات کے ساتھ ساتھ

ریکس آڈیٹوریم کراچی ہی میں ۱۷ تا ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء

تنظیمِ اسلامی کی مرکزی تربیّت گاہ

بھی منعقد ہو گی، جس میں

★ قرآن حکیم کے دعوتی اور تربیتی نصاب اور
★ تزکیۂ نفس کے اصُول و مبادی' کے علاوہ
★ موجُودہ حالات میں اسلامی انقلاب کا طریق و منہاج' اور
★ دعوت و تنظیم کی راہ کی مشکلات اور اُن کا حل

ایسے اہم موضوعات پر مذاکرات ہوں گے

تنظیمِ اسلامی کے رفقاء ابھی سے رخصت وغیرہ کا بندوبست شروع کر دیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۷ دسمبر ۸۸ء کی سہ پہر تک ضرور کراچی پہنچ جائیں۔ وہاں سے واپسی کے لیے جمعرات ۲۲ دسمبر کی بعد دوپہر بکنگ کرائی جائے۔ [redacted]

المعلن: (میاں) محمد نعیم، ناظمِ اعلیٰ، تنظیمِ اسلامی پاکستان

۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

(فون:- ۳۰۵۱۱۰)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۷

شمارہ ۱۲

ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

دسمبر ۱۹۸۸ء

فی شمارہ -/۵

سالانہ زرِ تعاون -/۵۰

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

اقتدار احمد

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr. khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove IL 60516
Tel: 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel: 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2Z2
Tel: 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlesex EN 34 RP
Tel: 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. A. Javed
JKQ P.O.Box 4699
Dubai UAE
Tel: 459 112

ABU DHADI DR 25/=
c/o.Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O.Box 27628
Abu Dhabi
Tel: 479 192

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P.O.Box 251
Riyadh 11411
Tel: 476 8177

JEDDAH SR 25/=
c/o Mr. M. A , Habib
CC 720 Saudia P.O.box 167
Jeddah 21231
Tel: 651 3140

INDIA US $ 6/=
c/o Mr.Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel: 42127

To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ فون: ۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱-داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلیشرز: لطف الرحمٰن خان مقامِ اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

مشمولات

★ عرضِ احوال —— ۵

اقتدار احمد

★ تذکرہ و تبصرہ —— ۱۹

حالیہ الیکشن کے چند خوش آئند پہلو

امیر تنظیم اسلامی کا ایک اہم خطاب

★ حقیقتِ جہاد (آخری قسط) —— ۴۱

ڈاکٹر اسرار احمد

★ حسنِ انتخاب —— ۴۹

مباہلے کا جواب (قادیانیوں سے)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

★ رفتارِ کار —— ۶۱

امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ جھنگ

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد میں رفقاء تنظیم اسلامی کی دعوتی سرگرمیاں

علاقائی اجتماع حلقہ وسطی پنجاب کی رپورٹ

★ آخرت پر ایمان (قسط نمبر ۳) —— ۸۵

محمد غوری صدیقی

★ ایک خط اور اس کا جواب —— ۹۳

اقتدار احمد

اقتدار احمد

عرضِ احوال

ان صفحات میں جماعت اسلامی کا ذکر اگرچہ موقع و محل کی مناسبت سے ہی آتا ہے' تاہم جب بھی ایسا ہوا' ہمارے بعض قارئین نے ناک بھوں چڑھائی کہ ہم مثبت انداز میں اپنی بات کہنے پر بس کیوں نہیں کرتے' خوباں سے چھیڑ کیوں چلائے رکھتے ہیں۔ پھر جماعت سے متعلق کسی موضوع پر گفتگو میں ہماری تقریر و تحریر میں جو ذرا تلخی در آتی ہے' اسے بھی ہمارے درد سے ناآشنا لوگ چشمک' رقابت بلکہ بعض اوقات حسد تک سے تعبیر کرتے رہے' حالانکہ سینوں میں چھپے بھید جاننے والے کو خبر ہے کہ ہمارے دل میں وابستگانِ جماعت کے لئے جذبۂ خیر خواہی کے علاوہ جو ہے وہ محبت ہی محبت ہے۔ ان میں اگرچہ آہِ سحر گاہی سے وضو کرنے والے اب خال خال ہی رہ گئے ہیں' تاہم اکثریت کے ذہنوں میں دین کا وہ ہمہ گیر تصور آج بھی موجود ہے' مذہبیت کے گنبد میں بند لوگوں کو جس تک رسائی حاصل نہیں۔ جماعت قیامِ پاکستان کے بعد ایک غلط موڑ مڑ کر اب اپنی منزل سے بہت دور ہو گئی ہے' لیکن اس کا نقطۂ آغاز بھی درست تھا اور ہدف کے تعین میں بھی ترجیحات کی ذرا سی اونچ نیچ کے سوا کوئی غلطی نہ پائی جاتی تھی۔ وہ آج سر سے پاؤں تک ایک خالص قومی سیاسی جماعت نظر آتی ہے تو کیا ہوا' اس کی اٹھان ایک اصولی انقلابی تنظیم کی سی تھی اور اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کے کارکنوں میں مقصد سے لگن' خلوص اور ایثار کا اتنا سرمایہ پایا جاتا ہے جو چراغ لے کر ڈھونڈے بھی دوسرے لوگوں میں بقدرِ قلیل ہی ملے گا۔ ان کا ذکر چھڑنے پر سینے میں ایک تیر سا آکر پیوست ہو جاتا ہے' نالہ و شیون میں تلخی بھی آہی جاتی ہے۔

ہم جماعت اسلامی کے بارے میں بات کرنے اور اس کے وابستگان سے خطاب کا اپنے تئیں مستحق بھی سمجھتے ہیں۔ کوئی لاکھ ہمارے کام کی تحقیر کرے' اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ ہماری سعی و جہد کا مرکز و محور بھی دین ہے' ہم اسی منزل کے راہی ہیں جس کی طرف اڑتالیس سال قبل جماعت نے سفر شروع کیا' رجوع الی اللہ کی اسی دعوت کے نقیب ہیں جس کی مدہم پڑتی آواز کو مولانا مودودی مرحوم و مغفور نے ایک نیا آہنگ دیا تھا اور ہماری صفوں میں آج بھی وہ لوگ موجود ہیں بلکہ رہنمائی کے مناصب پر فائز ہیں جنہیں شوق جادہ پیمائی ہی

جماعت سے نہ ملا' ایک عرصہ ہمرکابی کا شرف بھی حاصل رہا ہے۔ ہمیں تجدید واحیائے دین کا وہ سبق بھلائے نہیں بھولتا جو جماعت نے دیا اور جس کی فکر ہمیں بے چین کئے رکھتی ہے۔ کیا قیامت ہے کہ وہی لوگ سب کچھ بھول بھال کے اب خود فراموشی کی راحت تک کے مزے لوٹ رہے ہیں جنھوں نے ہمارا خواب وخور حرام کیا۔ انہیں جھنجوڑ کر جگانے کی کوششیں بھی نہ کریں تو سوا مشکل ہے۔ آج انہیں ایک بے حقیقت اور وقتی مہم سر کرتے ہوئے ہنگامہ آرائی کے رائج الوقت انداز اپناتے' ووٹروں کے شکار کے لئے روایتی ہانکا کرتے' ہڑتال میں نعرے لگاتے' شائقین کے جوش وخروش کو ہاتھ ہلا ہلا کر بڑھاوا دیتے' استقبال کرنے والوں کے کندھوں پر سواری کرتے' ہاروں سے لدے پھولوں اور پتیّوں کی بارش میں نہاتے' میدان سیاست کے حریفوں کو دعوت مبارزت دیتے ہوئے متانت وشائستگی کا دامن چھوڑتے' زمینی حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ہوائی باتیں کرتے' بدنامِ زمانہ موقع پرستوں' فصلی بٹیروں اور سیاسی شعبدہ بازوں کی رفاقت و ہمنوائی کرتے اور خود امیرِ جماعت کو اپنا پورا قیمتی وقت' پوری توانائی اس نیک کام میں جھونکتے دیکھتے ہیں تو اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے' اک درد جگر میں ہوتا ہے۔ فریاد لب پہ آنے کے لئے مچلتی ہے۔ ہم نشیں! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں۔ ایسے میں چشمک' رقابت یا حسد کا کیا گذر' دل ودماغ پر تو حسرت کا قبضۂ غاصبانہ ہے۔

تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل اور جماعت کی نوجوان نسل نے وہ مناظر نہیں دیکھے جوان گنہگار آنکھوں کے سامنے آج بھی پھرتے ہیں۔ یہ لوگ ذرا ہمارے ساتھ آئیں' گردش ایام کو پیچھے کی طرف دوڑاتے ہیں۔ یہ ازمنۂ قدیم کا نہیں' قیام پاکستان کے بعد اسی شہر لاہور کا ذکر ہے۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ملتان سنٹرل جیل میں سیفٹی ایکٹ کے تحت خاصی طویل اسیری گذار کر ایک زور دار مہم اور مجلس دستور ساز کی بے جواز معطلی سے پیدا ہونے والے دستوری خلاء کے نتیجے میں رہا ہوئے اور ریل کے ذریعے لاہور مراجعت فرما رہے ہیں۔ ریلوے سٹیشن پر جماعت کے زعماء' اراکین اور ہمدرد اسلامی جمعیت طلبہ کے نوخیز جوانوں اور مولانا کے احباب سمیت استقبال کے لئے جمع ہیں۔ پلیٹ فارم کے ہجوم میں یہ گروہ اپنی متانت' سنجیدگی اور پروقار حرکات وسکنات کے باعث بالکل الگ تھلگ نظر آتا ہے۔ نوجوانوں کے ایک پرے میں' جن کے چہرے خوبصورت داڑھیوں سے مزیّن ہیں' کھسر پھسر ہوئی اور آنکھوں ہی آنکھوں میں باہم دگر اشاروں کے بعد' ایک لمبا تڑنگا گورا چٹا نوجوان قائم مقام امیر

جماعت اسلامی پاکستان کے قریب آتا ہے۔ روئے روشن گرمئ شوق اور جوشِ دروں سے تمتما رہا ہے' جسے مدعا کی جسارت کا احساس اور بھی گلنار کیے ہوئے تھا...... "مولانا! ہمیں نعرے لگانے کی اجازت مل سکتی ہے؟" اور جواب ملتا ہے۔ "ہرگز نہیں۔ یہ ہمارا طریقہ نہیں" ...... امیر جماعت کے قریبی رفقاء بھی متوجہ ہو جاتے ہیں' ان کے چہروں پر تبسم کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے جس میں نوجوان کے جذباتِ عقیدت کا احترام' اس کی خواہش کی معصومیت کا اعتراف اور محبت و شفقت کا رنگ نمایاں تھا۔ ان کی سفارش پر امیرِ جماعت بھی موم ہو جاتے ہیں' موقع ہی ایسا تھا' خود ان کے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے کہ امارت کے بارِ گراں سے سبک دوش ہونے والے تھے چنانچہ صرف ایک نعرہ محض ایک بار لگانے کی اجازت مرحمت کر دی جاتی ہے۔ نعرۂ تکبیر' اللہ اکبر۔ نوجوان نہال ہو جاتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو یہ خوش خبری سنانے کے لئے لپکتا ہے۔ گاڑی کی آمد آمد ہے لہٰذا اب صف بندی کر لی گئی ہے' پہلا نمبر قائم مقام امیر جماعت کا اور اکابر و اصاغر حسبِ مرتبہ و مقام۔ مولانا مودودی کسی سہارے کے بغیر ریل کے ڈبے سے اترے اور اپنے پیروں چل کر تشریف لائے اور ظاہر ہے کہ پھر مصافحہ و معانقہ میں سچی گرم جوشی کا پر خلوص اظہار بھی سلیقہ سے ہوا ہو گا' لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ نعرہ ایک اور صرف ایک بار ہی لگا۔ قائم مقام امیر جماعت مولانا عبدالغفار حسن مدظلہٗ تھے اور نوجوان یوسف خان۔ دونوں بحمد اللہ بالترتیب فیصل آباد اور لاہور میں مقیم ہیں۔ مولانا اب جماعت کے ساتھ نہیں' شاید ان کی گواہی معتبر نہ ٹھہرے' لیکن جناب یوسف خاں تو آج بھی جماعت اسلامی کے عوامی سیاستدانوں میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ ۸۵ء کے الیکشن میں جماعت کی طرف سے صوبائی نشست پر مقابلہ کر کے ہار گئے تھے۔

ایک ہی واقعہ کی منظر کشی میں اتنی سطریں کھپ گئیں لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔ ان گذرے واقعات کے مناظر اور اساطیر الاولین کی جھلکیاں دکھانے پر آئیں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں تھک جائیں گی' پتھرا جائیں گی۔ اور ۱۹۵۱ء کی پہلی انتخابی مہم کا ذکر کرنے کی تو تاب ہی نہیں جس میں ہم نے خود اس انہماک سے کام کیا اور خیریتِ جاں' راحتِ تن' صحتِ داماں کو یوں تج دیا تھا کہ سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی۔ تقابل میں زمین و آسمان' خوب و زشت اور حرام و حلال کا فرق واقع ہو جائے گا' لہٰذا پھر سہی۔ ایک جھلک جو ہم دکھا چکے ہیں اسی سے قیاس کر کے نقشہ پورا کر لیا جائے اور اپنی سرگرمیوں کے نقش و نگار سے موازنہ بھی۔ جماعت کے مخلصین کو ہماری دعوت بس اتنی ہے کہ اپنے اس لٹریچر کا ایک بار پھر غور

سے مطالعہ کریں، جن کے خطوط پر مولانا مودودی مرحوم ومغفور نے اپنی تحریک اسلامی کو استوار کیا تھا اور اُس زمانے پر نگاہ بازگشت ڈال دیکھیں جو ۱۹۵۰ء کے بھی دو تین سال بعد تک چلا تھا۔

ہم نے انہیں دلسوزی اور غایت درجہ کی عاجزی سے کہا کہ انتخابی سیاست کی غلاظت سے بچ کر نکلتے ہوئے اپنے اسی کردار کو نبھانے کی فکر کریں جو ایک اصولی، اسلامی، انقلابی جماعت کو زیب دیتا ہے تو اس لئے نہیں کہ ان کی "سیٹوں" پر ہم خود ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے۔ حالیہ الیکشن میں اپنے سب اصول، اپنے طریق کار، اپنا طرۂ امتیاز اور اپنے طور اطوار قربان کر کے انہوں نے جو کچھ حاصل کیا اس کے نفع نقصان کا میزانیہ تو بنا کر دیکھیں۔ کیا کھویا کیا پایا؟۔ ہمیں انہیں اپنی قیادت سے برگشتہ کر کے کچھ نہ ملے گا، لیکن ذرا غور تو کریں راہبر انہیں کہاں سے کہاں لے آئے ہیں۔ کیا ان کا یہی مقام تھا جہاں آج کھڑے نظر آتے ہیں؟۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی قیادت کو بھی ماں سے زیادہ چاہنے والی پھاپھا کٹنیوں نے شیشے میں اتارا۔ دانشوروں کے مفت مشوروں اور صحافیوں کے ندرت خیال کی لڑیوں میں پروئے گئے چٹکتے مٹکتے الفاظ پر مشتمل تجزیوں نے سبز باغ دکھائے۔ منصورہ کے "گیٹ آفس" میں سارا ریکارڈ محفوظ ہو گا۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ کن نازک مراحل میں کون کون نابغۂ عصر دانشور اور صحافی غول در غول اپنے قیمتی مشوروں کی سوغات لاتے رہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو جماعت کے مخلصین سے زیادہ اسلام کا درد دل میں رکھتے ہوئے بھی جماعت کے نظم کی پابندی قبول نہیں کرتے۔

دستِ ہر نا اہل بیمارت کند   سوئے مادر آکہ تیمارت کند

اللہ تعالیٰ ہمیں اس شقاوتِ قلبی سے بچائے رکھے کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کے تازہ زخموں پر نمک پاشی سے حظ اٹھائیں۔ ہمیں تو یہ یقین خامہ فرسائی پر مجبور کرتا ہے کہ جماعت اسلامی میں ابھی وہ سعید روحیں موجود ہیں، ان رجالِ رشید سے تاحال اس کی صفیں خالی نہیں ہوئیں جو اس موقع کو دروں بینی اور خود احتسابی کے کام لائیں گے۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ اُخروی محاسبہ کے تو خیال سے ہی مسلمان لرزتا ہے، محاسبہ رائے عامہ بھی کرے گی۔ حالیہ انتخابات میں ہزیمت پر شاید اعداد و شمار کے گورکھ دھندے کا پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے، لیکن ہمارے سب کے سب بھائی تو خیالستان کے باسی نہیں۔ خدا کے لئے تنقیحات و توجیہات کے سحر سے نکل آیئے اور حقائق سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت اپنے

اندر پیدا کیجئے۔ اپنے اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اور اپنی قدروں کے نازک شیشے کو محفوظ رکھ کر جماعت کو ایک بھی سیٹ نہ ملتی تب بھی وہ کامیاب کہلاتی' اس بگڑے ہوئے معاشرے میں اپنے کردار سے کچھ شمعیں تو روشن کر جاتی۔ لیکن اب کیا نتیجہ نکلا ہے' ہم نہیں کہتے' وہ خود ہی غور فرمائیں۔ اس عاشقی میں کیا عزّتِ سادات بھی چلی نہیں گئی؟

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دین سے خلوص و اخلاص کا رشتہ رکھنے والے' غلبۂ دین کا واضح تصور رکھتے ہوئے اس کی آرزو میں جینے والے اور نجات و فلاحِ اُخروی کے خواہشمند وابستگانِ جماعت اسلامی اپنی جماعت کو چھوڑ کر ہم سے آملیں۔ ہمیں خود "الجماعت" اور "الحق" یا عقلِ کل ہونے کا دعویٰ نہیں۔ تمنا ہے تو بس اتنی کہ دین کے اس زیاں کا احساس ہو جائے جو اس منظم قوت کو ایک خالص عوامی سیاسی جماعت کے قالب میں ڈھالنے سے ہوا ہے حالانکہ حقیقی صورت حال کے اعتبار سے ابھی ایک "انقلابی جماعت" کی سی جدّوجُہد درکار تھی۔ عوامی سیاسی جماعت تو کم ترشے ہے' سیاسی جماعت اور انقلابی جماعت کے طریقِ کار اور طرزِ عمل میں بھی جو "باریک سا فرق" ہوتا ہے' اس کے بارے میں تلاش کرنے پر مولانا مودودی مرحوم و مغفور کے یہ الفاظ ہمارے بھائیوں کو اپنے لٹریچر میں ضرور مل جائیں گے کہ..........

> "اب ایک جماعت تو وہ ہوتی ہے کہ جس کے پیش نظر ایک قوم یا ملک کے مخصوص حالات کے لحاظ سے سیاسی تدبیر کے طور پر ایک خاص نظریہ اور پروگرام ہوتا ہے۔ اس قسم کی جماعت محض ایک سیاسی جماعت ہوتی ہے" ....
>
> "دوسری جماعت وہ ہوتی ہے جو ایک کلی نظریہ اور جہانی تصور (WORLD IDEA)' لے کر اٹھتی ہے جس کے سامنے تمام نوعِ انسانی کے لئے بلا لحاظ قوم و وطن ایک عالمگیر مسلک ہوتا ہے جو پوری زندگی کی تشکیل و تعمیر ایک نئے ڈھنگ پر کرنا چاہتی ہے۔ جس کا نظریہ و مسلک' عقائد و افکار اور اصول اخلاق سے لے کر انفرادی برتاؤ اور اجتماعی نظام کی تفصیلات تک ہر چیز کو اپنے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے.........."

اس باریک سے فرق سے ہر دو نوع کی جماعتوں کے رنگ ڈھنگ اور کارکنوں کے نقطۂ نظر میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اور زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ جس پر اب انگشت نمائی کی حاجت نہیں۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ صورت حال کھلی کتاب کی

طرح سامنے پڑی ہے۔ جماعت اسلامی کے مخلص وابستگان نوشتۂ دیوار پڑھنے پر آمادہ ہو جائیں اور اپنی اجتماعیت کو صبغت اللہ کے اسی رنگ میں رنگنے کا بیڑا اٹھالیں کہ یہی رنگ اس خاکے میں سجتا ہے جو جماعت کی تاسیس کے موقعہ پر مرتب کیا گیا تھا' تو یہ "من عزم الامور" یقیناً ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید انہیں میسر ہوگی اور ہم ان کے قافلے میں چھوٹے بن کر شامل ہونے کو اپنی سعادت شمار کریں گے۔ اس کے لئے اپنے رب سے توفیق طلب کی جانی چاہئے۔ عزیمت کے اس مقام تک پہنچنا میسر نہ ہو تب بھی اس کی طرف مراجعت کا سفر تو جاری رہنا چاہئے جس کے دوران انہیں از خود محسوس ہو گا کہ ان کی واپسی میں دین حق کی سربلندی اور ملک وملت کی سرفرازی کے آثار پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ سنگ ہائے میل مہمیز کا کام دیں گے اور لبوں پر شاعر مشرق کی یہ حدی ہوگی ۔

تیز ترک و گامزن   منزلِ ما دور نیست

خلاصۂ کلام یہ کہ حالیہ انتخابات میں اپنی جماعت کی حکمت عملی کو اس منطقی انتہا تک پہنچا ہوا دیکھ کر جس کی ابتداء ۱۹۵۱ء میں خلوص ونیک نیتی سے انتخابی مہم کو دین کی منشاء اور اپنے اصولوں کے ممکن حد تک تابع رکھ کر لیکن ایک غلط مفروضے کی بناء پر کی گئی تھی' نتائج کا موازنہ کر کے اور نفع نقصان کا میزانیہ مرتب کرنے کے بعد جماعت اسلامی کے وابستگان ہمت نہ ہاریں بلکہ اللہ کا نام لے کر خود احتسابی کا ڈول ڈالیں کہ یہی تقاضائے وقت ہے ۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

احتساب کا یہ عمل اب بھی ان کی جماعت کو نام کی نہیں' حقیقی تحریک اسلامی بنا سکتا ہے کہ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
٭ خود بھی مطالعہ کیجئے اور اسے پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے
ہدیہ فی نسخہ: تین روپے۔ تبلیغی مقصد کیلئے یک صد نسخوں پر ۳۳ فیصد کمیشن دیا جائے گا

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروسِ قرآن کا سلسلہ

الہدیٰ

درس ۱۲، نشست ۵۶
مباحثِ عمل صالح

مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۳)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ○

وقال تبارک وتعالی

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ صدق اللہ العظیم۔

"اے ایمان والو' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لے کر آئے تو

چھان بین کر لیا کرو۔ مبادا تم نادانی میں کسی قوم کے خلاف اقدام کر بیٹھو اور پھر تمہیں پچھتانا پڑے"......

اس کے بعد فرمایا...... "اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرنے پر مصر رہے تو اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے جھک جائے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کو تسلیم کر لے تو پھر صلح کرا دو ان دونوں کے مابین انصاف کے ساتھ 'اور عدل سے کام لو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یقیناً تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے مابین صلح کرا دیا کرو 'اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اس کی نافرمانی سے بچو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

محترم حاضرین و معزز ناظرین!

ابھی آپ نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر چھ اور اس کے بعد آیات نمبر نو اور دس کی تلاوت اور ترجمہ سنا۔ جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کی حیاتِ ملی کی شیرازہ بندی کو مستحکم رکھنے کیلئے چند نہایت اہم احکام ہیں جو سورۃ الحجرات میں وارد ہوئے ہیں۔ پچھلے دو دروس میں مسلمانوں کی حیات ملی یا ہیئتِ اجتماعیہ کی جو دو بنیادیں ہیں ان کی نشاندہی ہو گئی تھی۔ ایک دستوری' آئینی و قانونی بنیاد جس پر نظامِ حکومت قائم ہوتا ہے۔ دوسری وہ جذباتی بنیاد جس سے تمدن اور تہذیب و ثقافت وجود میں آتی ہے...... اب اس ہیئتِ اجتماعیہ کی شیرازہ بندی کو مضبوط رکھنے کیلئے دو احکام ان آیات میں وارد ہوئے جو آج ہمارے زیرِ مطالعہ ہیں اور یہ دونوں احکام نہایت اہم ہیں۔

پہلا حکم یہ ہے کہ محض افواہ پر کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ اگر کہیں سے کوئی خبر آئی اور خبر بھی اہم قسم کی ہو (عربی میں نبأ اہم خبر کو کہتے ہیں) تو اس کے ضمن میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ یہ خبر لانے والا کون ہے! اگر وہ کوئی انتہائی معتبر شخصیت ہو مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ' عمر فاروقؓ' عثمان غنیؓ' یا علی مجتبیٰؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ میں سے کوئی خبر دے رہا ہو تو کسی تحقیق' کسی تبیین اور کسی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے' لیکن اگر اس خبر کا لانے والا کوئی ایسا شخص ہے کہ جو احکام الٰہیہ پر اس طور پر کاربند نہیں ہے جس طور پر ایک مومن صادق کو ہونا چاہئے تو ایسے شخص کی لائی ہوئی خبر پر کوئی اقدام کرنا بہت خطرناک ہو سکتا ہے' لہٰذا اس کی تحقیق' تبیین

اور تفتیش ضروری ہے' اور اسی سے یہ بات از خود سامنے آتی ہے کہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ جس کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص متقی ہے یا فاسق' تو سب سے پہلے اس شخص کے بارے میں تحقیق کرنی ہوگی کہ اس کا کردار کیسا ہے! اس کا اخلاق کیسا ہے! دین کے ساتھ اس کے رویئے اور طرز عمل کا معاملہ کیسا ہے!...... تو یہ دونوں چیزیں سامنے رکھئے کہ خبر لانے والے کے بارے میں بھی تحقیق و تفتیش...... اور پھر جو "خبر" لائی گئی ہے' اس کے بارے میں بھی پوری چھان بین کرنی ضروری ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے گزر کر پھر کوئی فیصلہ کیا جائے اور اس فیصلے کے مطابق پھر کوئی اقدام ہو......

واقعہ یہ ہے کہ اگر ان معاملات میں سہل انگاری سے کام لیا جائے اور ان احتیاطوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو ہو سکتا ہے کہ نادانی میں' نادانستگی میں' جہالت میں کسی غلط اطلاع کی بنیاد پر کوئی اہم اقدام ہو جائے اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ اطلاع ہی سرے سے غلط تھی۔ یہ معاملہ عام طور پر خود ہمارے معاشرے میں نظر آتا ہے کہ ایک افواہ کہیں سے چلی اور پھر وہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ایک کی زبان سے نکلی اور دوسرے کے کان تک پہنچی۔ اب جب اس کی زبان سے نکلتی ہے تو اس میں اضافے ہوتے ہیں اور پھر یہ افواہ اضافوں کے ساتھ معاشرے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔ لوگ اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات بڑی اہم ہے کہ تحقیق و تفتیش کے ذریعے سے صحیح معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی اقدام ہو۔ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بہت ہی پیارا ہے۔ آپؐ نے ایک ایسا معیار ہمارے سامنے رکھا ہے کہ واقعتاً اگر اس پر انسان کسی درجے میں بھی عمل پیرا ہو جائے تو اس طرح کے تمام اندیشوں کا سدّباب ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ "کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے بیان کر دے"...... اب دیکھئے کہ بڑی عجیب' بڑی پیاری بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ ایک شخص نے کسی سے کچھ سنا' اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا' وہی بات جوں کی توں آگے بیان کر دی تو یہ طرزِ عمل ہی اس کے جھوٹا ہونے کیلئے کافی ہے۔ غور کیجئے کہ بات کیا ہے! اسے یہ چاہئے تھا کہ اس بات کو اپنی زبان سے نکالنے سے پہلے خود اس کی تحقیق کر لے۔ بالفرض وہ بات غلط ہے تو اس غلط بات کے پھیلانے میں وہ بھی ایک واسطہ بن گیا۔ اس کے ذریعے سے وہ جھوٹ کتنی دور تک پھیل سکتا ہے۔ اس کا اندازہ ہر شخص خود کر سکتا ہے۔

اب اس کے ضمن میں ایک بات مزید نوٹ کرلیں۔ یہ آیت نمبر چھ ہے۔ ہم نے پچھلے درس میں جو آیت نمبر سات پڑھی تھی' اس میں خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو بڑی وضاحت سے سامنے لایا گیا ہے کہ..... وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ ساتویں آیت کے اس جزو کو چھٹی آیت سے بھی ربط ہے۔ وہ اس پہلو سے کہ تمام اطلاعات اور تمام خبروں کی تحقیق و تفتیش ہونی چاہئے' لیکن جو بات خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو رہی ہو' چاہے وہ کتنی چھوٹی سے چھوٹی بات ہی کیوں نہ ہو' ہر مسلمان کیلئے وہ بات اس اعتبار سے بہت بڑی ہے کہ یہ حضورؐ کے فرمان کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔ اسی سے تو ہماری ساری شریعت اور ہمارے تمام قوانین کا ڈھانچہ بنے گا۔ اور جیسے کہ میں گذشتہ نشست میں عرض کر چکا ہوں کہ اسی پر تو ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب و ثقافت کی تشکیل ہوگی' لہٰذا اس معاملہ میں سہل انگاری' صرفِ نظر یا تساہل عام معاملات کے مقابلے میں بہت زیادہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اہم بات جس کے تحت ہمارے محدثین کرامؒ نے احادیث کی تحقیق و تفتیش میں اپنی پوری کی پوری زندگیاں لگا دیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے کہ انہوں نے حضورؐ کی احادیث بیان کرنے والے راویوں کے حالات کی بھی پوری چھان بین کی اور جرح و تعدیل کے اصول معیّن کئے۔ اس طرح اسماء الرجال کا ایک بہت بڑا علم' ایک بہت بڑا فن وجود میں آیا۔ ہزاروں راویانِ احادیث کی زندگیوں کے بارے میں تحقیق ہوئی۔ پھر ان کے حالات مدوّن کر کے ضبطِ تحریر میں لائے گئے' پھر ان کی درجہ بندی کی گئی۔ اگر کسی شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کر کے کوئی بات کہی تو اسے محض اس بنیاد پر قبول اور تسلیم نہیں کر لیا جائے گا کہ یہ بات "قال قال رسولُ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم" کے الفاظ سے بیان کی گئی ہے' بلکہ اس کی پوری تحقیق و تفتیش اور پوری چھان بین ہوگی۔ روایتاً بھی ہوگی اور درایتاً بھی ہوگی۔ ان راویوں کے حالات پر بھی جرح ہوگی جو اس کو بیان کرنے والے ہیں۔ حدیث میں جتنے بھی واسطے اور LINKS ہیں' ان کی ثقاہت اور ان کے تدیّن کی بھی تحقیق ہوگی۔ پھر حدیث کے متن پر درایتاً بھی غور کیا جائے گا۔ یہ سارے کا سارا نظام درحقیقت اسی حکم کے تحت ہے کہ "اے اہل ایمان' اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی اہم خبر لے کر آئے تو تحقیق اور تفتیش کر لیا کرو"۔

اب آیئے اس دوسرے بڑے حکم کی طرف جو آیات نمبر نو اور دس میں ہمارے سامنے

آیا..... اگر اس ساری احتیاط کے باوجود مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین کوئی نزاع برپا ہو جائے' کوئی جھگڑا ہو جائے' کسی نوع کا اختلاف رونما ہو جائے اور یہ اس شدت کو پہنچ جائے کہ وہ باہم ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو ایک مسلم معاشرے کا کیا رویّہ ہو! فرمایا..... وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ۔ "اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں" ..... اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان بھی آخر انسان ہیں۔ خطا اور نسیان کا ارتکاب ہر انسان سے ہو سکتا ہے' لہٰذا مسلمانوں کے مابین اگر کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے' وہ باہم لڑنے اور جھگڑنے لگ پڑیں' تو یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے' ایسا ہو سکتا ہے۔ پوری نیک نیتی کے ساتھ بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ پھر حالات ایسی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں کہ دونوں فریق اگرچہ نیک نیت ہیں' لیکن پھر بھی مسئلہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ کچھ خارجی عناصر بھی موجود ہیں اور کوئی سازشی عنصر اندر بھی موجود ہے کہ جو دونوں فریقوں کو بھڑکا رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ خلوص اور نیک نیتی کے باوصف وہ جھگڑا باہمی قتال اور جنگ کی صورت اختیار کر جائے۔ اس صورتحال کا مطلب یہ نہیں ہو گا کہ ان میں سے کسی ایک فریق کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا جائے یا ان کے ایمان کی نفی کر دی جائے..... جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کے آغاز میں دونوں لڑنے جھگڑنے والے گروہوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا ۔ "اور اگر اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں" ..... چنانچہ یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ ان میں سے کسی کے بھی ایمان کی نفی نہیں کی گئی ہے۔

آگے چلئے۔ اس سورۂ مبارکہ کی آیات زیرِ مطالعہ میں ایک پورا یہ قانون بیان ہوا ہے' جس کی کئی دفعات ہیں۔ پہلی دفعہ یہ ہے کہ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۔ "یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے مابین صلح کرا دو"۔ یعنی بے تعلّقی کا رویہ صحیح نہیں ہے کہ ہمیں مداخلت کی کیا ضرورت ہے! یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جس سے وہ خود نمٹیں۔ یہ روش چھوٹی سطح پر بھی غلط ہے اور بڑی سطح پر تو انتہائی غلط ہے۔ اگر دو بھائیوں کے مابین اختلاف ہو گیا ہو اور بقیہ بھائی یا قریبی اعزّہ یہ سوچیں کہ یہ اپنا اختلاف آپس ہی میں طے کریں۔ ہم اگر ایک کے حق میں بات کریں گے تو خواہ مخواہ دوسرے کی خفگی اور ناراضگی مول لیں گے اور اس کے حق میں بات کریں گے تو پہلا خفا اور ناراض ہو جائے گا تو یہ بے تعلّقی کا رویّہ بہت غلط ہے۔ اس کیلئے انگریزی محاورے NIP THE EVIL IN THE BUD

کے مطابق عمل ہونا چاہئے۔ چنانچہ برائی نے جہاں بھی ظہور کیا ہے' وہ ایک رخنہ ہے' جو مسلمانوں کی ہیئتِ اجتماعیہ میں رونما ہوا ہے' اس فصیل میں ایک دراڑ پڑ گئی ہے' اگر یہ دراڑ بڑھ گئی تو اس سے غنیم کو اندر آنے کا موقع ملے گا۔ دشمن اندر گھس آئے گا' لہٰذا پہلی فرصت میں اس دراڑ کو بند کرو اور اس رخنے کو ختم کرو۔ چنانچہ حکم دیا گیا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا - یہ پہلی دفعہ ہے اور چونکہ اَصْلِحُوْا فعل امر ہے اور فقہ میں عام طور پر یہ اصول مانا جاتا ہے کہ الامر للوجوب - پس معلوم ہوا کہ یہاں مسلمانوں پر واجب اور فرض کیا جا رہا ہے کہ وہ مصالحت کرائیں۔

اب اس کے بعد دوسری دفعہ ہے۔ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی "اگر مصالحت اور صلح کی کوشش کے باوجود ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرتا جا رہا ہے" ...... اس زیادتی کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ گروہ مسلمانوں کی جو مجموعی طاقت اور قوت ہے اسے صلح سے انکار کر کے ضعف پہنچانے کا سبب بن رہا ہے اور بے جا طور پر اپنی زیادتی پر مصر ہے۔ دوسری یہ کہ جو صلح اور مصالحت کرائی گئی تھی' اس کی شرائط پر وہ کاربند نہیں رہا۔ اس نے از سر نو کوئی زیادتی کی ہے۔ ان دونوں حالتوں کے بارے میں حکم مل رہا ہے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ - "اب تم اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے" ...... یعنی اب یہ جھگڑا دو فریقوں کے مابین نہیں رہا' بلکہ ملت کا بحیثیت مجموعی جو مقام و مرتبہ ہے' اس گروہ نے اسے چیلنج کیا ہے۔ وہ اسے غیر مؤثر بنانے اور نقصان پہنچانے کے درپے ہے' لہٰذا اب امت کی مجموعی طاقت بروئے کار آئے اور وہ لڑے اور وہ زیادتی کرنے والے گروہ کو مجبور کرے کہ وہ اس زیادتی سے باز آجائے۔ چنانچہ فرمایا۔ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ - یہاں "امر اللہ" میں ان شرائط کی طرف اشارہ ہے جو ملت کی ہیئتِ اجتماعیہ نے ان دونوں فریقوں کے مابین طے کرائی تھیں۔ وہی شرائط درحقیقت امر اللہ ہیں۔

تیسری دفعہ یہ بیان فرمائی۔ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا "پھر اگر وہ فریق لوٹ آئے' زیادتی سے باز آجائے تو پھر ان کے مابین از سرِ نو صلح کراؤ' عدل کے ساتھ اور انصاف کرو" ...... آیت کے اس حصے پر غور فرمایئے۔ یہ قرآن حکیم کا اعجاز ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں واقعتہً گھٹنے ٹیکنے پڑتے ہیں اور سر جھکانا پڑتا ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہو سکتا' یہ اللہ ہی کا کلام ہے...... یہاں بات دو اسلوبوں سے فرمائی گئی ہے۔ "بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا" ...... "اب جو صلح کراؤ تو عدل کے ساتھ کراؤ اور دیکھو

انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے"۔ یہ تکرار کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ جب ملّت نے بحیثیت مجموعی ایک فریق کو صلح پر مجبور کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ جذبات میں آ کر اس فریق پر کوئی ناروا زیادتی ہو جائے اور اسے زیادہ سے زیادہ دبانے کا رجحان پیدا ہو جائے' لہٰذا یہ خاص احتیاط کا مقام ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب بطورِ سزا اس پر ایسی شرائط عائد کر دی جائیں جو نامناسب و ناروا ہوں اور جو زیادتی کے زمرے میں آتی ہوں' چنانچہ متنبہ کر دیا گیا ہے کہ زیادتی کرنے والا فریق بھی آخر مسلمان ہی ہے' اہلِ ایمان ہی میں سے ہے' لہٰذا اب کہیں اس پر زیادتی نہ ہو جائے اور عدل وقسط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔ آیت کے آخر میں فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○ "جان رکھو کہ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اس کے بعد اگلی آیت میں ایک حتمی وقطعی ضابطہ و قاعدہ اور سنہرا اصول بیان فرما دیا گیا کہ مسلمانوں کے مابین معاملات اور تنازعات طے کراتے ہوئے جو روح کارفرما رہنی چاہئے' جو اہم ترین بات پیش نظر رہنی چاہئے وہ کیا ہے! اس کی ان الفاظ مبارکہ میں تعلیم دی گئی اور تلقین فرمائی گئی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ "یقیناً تمام مسلمان' تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں"...... فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ لہٰذا اپنے بھائیوں کے مابین صلح' صفائی اور مصالحت کرا دیا کرو"...... ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے سے فطرت انسانی کو اپیل کیا گیا ہے۔ یہ انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے کہ دو بھائیوں کے مابین جھگڑے کو دیکھ کر کوئی خوش نہیں ہوتا۔ دو بھائیوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان یہ چاہے گا کہ ان کے مابین صلح اور مصالحت کرائے' تو اسی فطرت کو اپیل کیا جا رہا ہے کہ مسلمان تو سب کے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا ایک دوسرے سے رشتۂ اخوت ہے' لہٰذا اگر مسلمانوں کے مابین کہیں ایسا اختلاف ہو جایا کرے کہ جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آ جائے تو اسی جذبے اور روح کے ساتھ جو بھائی بھائی ہونے کے ناطے اور رشتے کے باعث تم میں ہونی لازمی ہے' ان کے مابین صلح کرانے کی کوشش کرو۔ آخر میں فرمایا۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ "اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ۔ اس کی نافرمانی سے بچتے رہو۔ اسی طرز عمل کے نتیجے میں تم امید کر سکتے ہو تم پر رحم کیا جائے گا' تم پر رحمت خداوندی کا سایہ ہو گا"۔

آج کے سبق میں جو احکام آئے ہیں' اب انہیں ذہن میں مستحضر کر لیجئے۔ پہلے حکم میں کسی بھی جھگڑے یا تنازع کے وجود میں آنے کو روکنے کی تدبیر بتائی گئی کہ افواہوں پر کوئی

اقدام نہ ہو۔ تحقیق و تفتیش کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔ دوسرے میں رہنمائی دی گئی کہ اگر پھر بھی کوئی جھگڑا ہو ہی جائے تو اس کے ضمن میں تفصیلی احکام دے دیئے گئے' جنہیں میں نے تین دفعات کی شکل میں' آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ ہمیں ان کو اپنی گھریلو سطح پر' برادری کی سطح پر اور محلہ کی سطح پر پیش نظر رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جلد وہ دن بھی لائے کہ پوری امت مسلمہ' پوری امت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ایک وحدت کی شکل اختیار کر لے' ان کے آپس کے جھگڑے' تنازعات' اختلافات ختم ہو جائیں اور یہ بات صورت واقعہ اختیار کر لے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

یا جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنے لیکچرز میں کہا ہے کہ مسلمان قوموں کی ایک دولت مشترکہ (CommonWealth) ہی وجود میں آ جائے' پھر عجیب بات ہے کہ علامہ نے طہران کا تذکرہ کیا تھا کہ ؎

طہران ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے!

اللہ تعالیٰ اگر ہمیں عالم اسلام کا ایک کامن ویلتھ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو ہم اس بلند سطح پر بھی ان احکام قرآنیہ پر عمل کرنے کے قابل ہو جائیں گے جو آج کے سبق میں ہمارے سامنے آئے ہیں۔

آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے اب اگر اس کے بارے میں کوئی وضاحت مطلوب ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال...... ڈاکٹر صاحب! ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان آپس میں متحد نہیں۔ کیا ان میں اتحاد اور اشتراک ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیسے؟

جواب...... یہ موجودہ دور کا بڑا اہم مسئلہ ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ اس وقت ہم شدید انتشار کا شکار ہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہمارے اتحاد کی جو اصل بنیاد ہے' ہمارا ربط و تعلق اس سے کمزور ہو گیا ہے۔ مثلاً آپ کے سامنے یہ بات آئی کہ مرکزی شخصیت جناب

(باقی ص ۸۴ پر)

تذکرہ وتبصرہ

حالیہ الیکشن کے چند خوش آئند پہلو

نئی صورت حال میں سیاستدانوں اور کارپردازانِ حکومت کی خدمت میں مخلصانہ مشورے

امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطابِ جمعہ، بتاریخ ۱۸ نومبر ۸۸ء

(بشکریہ : ہفت روزہ 'ندا' لاہور)

حضرات! ان اجتماعات میں اگرچہ ہم چند سورتوں کا مطالعہ کر رہے تھے جن میں سے سورۃ اللیل میں آج آگے بڑھنا تھا لیکن ظاہر ہے کہ آپ حضرات یہ جاننا چاہتے ہوں گے کہ قومی اسمبلی کے الیکشن کے بعد کی صورت حال میں میرے نزدیک ملک و ملت کے لئے اور خاص طور پر اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے جو سب سے صحیح صورت ہو وہ میں آپ کے سامنے رکھوں۔ کسی بھی شخص کی سوچ کامل نہیں ہو سکتی، کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی بات صدفیصد درست ہو گی لیکن ہر شخص جو بھی رائے دیانتاً رکھتا ہے اسی کو پیش کرتا ہے، میری ان آراء سے آپ کو اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ میں اپنے آپ کو اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور پاتا ہوں کہ جو بھی میری رائے ہے اس کو میں دیانتاً آپ کے سامنے رکھوں۔

مقام شکر ہے

سب سے پہلے تو تہہ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ انتخابات کا سب سے اہم، پہلا اور کٹھن مرحلہ طے پا گیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اسی کے ضمن میں آج میں سوچ رہا تھا تو چونکہ میری فکر کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے بنا ہے اور میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، تو میں نے اس وقت کی صورت حال اور ملک و ملت پر شدید قسم کے خطرات کے سائے کے بارے میں سورۃ الفتح اور سورۃ الانعام کی چند آیات سے روشنی پائی۔ صلح حدیبیہ سے متصلاً قبل جو

صورت بن چکی تھی وہ انتہائی خوفناک تھی اور آثار انتہائی مخدوش تھے۔ ادھر مکہ میں مشرکینِ عرب اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیؓ مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے اور یہ بات صرف محاورے میں نہیں ہے بلکہ عالمِ واقعہ میں ہوتی کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ صحابہ کرامؓ کا جو حال تھا وہ بعد میں اس واقعہ سے ظاہر ہو ہی گیا کہ حضورؐ نے جب صلح فرمالی تو لوگوں کے دل پژمردہ تھے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ اب اٹھو اور احرام یہیں کھول دو اور قربانی کے جو جانور ساتھ لائے ہیں انہیں یہیں پر ذبح کر دو تو ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ حضرت عمرؓ کا تو مشہور واقعہ ہے کہ سخت بے چین اور پریشان تھے اور نیت میں گستاخی کا شائبہ بھی نہ ہونے کے باوجود ظاہری انداز گستاخانہ سا تھا جس پر وہ ساری عمر پچھتاتے رہے اور یہی کیفیت حضرت علیؓ کی ہوئی' زندگی میں کبھی انہوں نے حضورؐ کی حکم عدولی نہ کی لیکن وہاں یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ نیت یہ نہیں تھی لیکن جذباتی فضا ایسی تھی کہ حضور اپنے نام کے ساتھ رسولؐ اللہ کے الفاظ مٹا دینے کا حکم دیتے ہیں تو کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے تو نہیں مٹا سکتا۔ یہ ساری کیفیت ظاہر کر رہی ہے کہ وہ کس درجے جذباتی ہیجان کا عالم تھا۔ اس مرحلے پر اللہ نے بچایا تو اس پر اپنا احسان جتایا ہے۔ "اور وہی ہے جس نے روک رکھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے"۔ (الفتح۔ ۲۴) ایک عام انسان اور مسلمان میں فرق یہی ہے کہ جو شخص یقین اور ایمان سے عاری ہے وہ صرف ظاہری اور مادی اسباب تک اپنی نگاہ محدود رکھتا ہے جبکہ مومن بھی سوچتا تو ضرور ہے کہ یہ کیوں ہو گیا' کیسے ہو گیا لیکن وہ ان تمام اسباب کے پردے میں مشیت ایزدی کا مشاہدہ کرتا ہے جو مسبب الاسباب ہے اور مدبر ہے۔ "تدبّر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں"۔ (السجدۃ۔ ۵) اللہ کے اپنے نقشے ہیں لیکن اگرچہ کسی آن اور کسی لحظہ مشیتِ ایزدی اور اذنِ رب کے بغیر کوئی پتا بھی جنبش نہیں کرتا لیکن بندۂ مومن بھی اسباب سے مستغنی نہیں' اسے حکم ہے کہ اسباب کو بروئے کار لائے استعمال کرے تاہم اس کا تکیہ اور دارومدار اور توکل ان اسباب پر نہیں ہوتا۔ تو میں اسی کا حوالہ دے رہا ہوں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ سورۃ الفتح کی آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا کہ اللہ کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ تمہیں تو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تم نے دب کر صلح کی ہے لیکن اللہ نے تمہیں فتح دی ہے۔ مکہ میں ایسے کمزور صاحبِ ایمان مرد بھی تھے اور صاحبِ ایمان عورتیں بھی جو ہجرت نہیں کر سکے' جن کے پاس وسائل و ذرائع نہیں تھے۔ اگر جنگ کی

یہ بھٹی دہک جاتی تو پھر وہ بھی نہ بچ سکتے۔ وہ پیس کر رکھ دیئے جاتے یعنی گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا' اللہ تعالیٰ کو اپنے ان کمزور اور ضعیف مومن مرد اور مومن عورتوں کی بھی مصلحت منظور تھی۔ اگر وہ یہاں پر پس کر رہ جاتے تو تم پر ایک حرف آتا اور بعد میں تم پچھتاتے بھی کہ تم نے اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ جنگِ جمل میں کیا ہوا تھا صلح آخری درجے کو پہنچ چکی تھی حضرت عائشہؓ کے نمائندے حضرت علیؓ کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے' صلح ہو گئی اور معاملہ تقریباً طے ہو گیا تھا لیکن منافقوں اور سبائیوں کا جو عنصر حضرت علیؓ کی فوج میں موجود تھا' اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی صلح ہو گئی تو ہمارا ٹھکانہ نہیں رہے گا' ہم تو برباد ہو کر رہ جائیں گے چنانچہ انہوں نے فوراً جا کر رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اب کیسے تحقیق ہو کہ حملہ آور کون ہیں اور یہ کہ آیا انہوں نے حضرت علیؓ کے حکم پر حملہ کیا ہے یا خود کیا۔ رات کی تاریکی میں پھر جو جنگ ہوئی تو ایک ہی رات میں دس ہزار مسلمان کام آئے۔

اس پہلو سے غور کیجئے کہ اس وقت خدانخواستہ کوئی ہنگامہ یا فساد اگر ہو جاتا تو اس کے جو نتائج نکلتے وہ انتہائی خوفناک ہوتے۔ نہ معلوم کتنے بے گناہ لوگ اس کے اندر ختم ہو جاتے۔ تو اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس صورتحال سے بچایا ہے۔ میں نے جب اس معاملے پر مزید غور کیا تو سورۂ انعام کی دو آیات میں مجھے اور روشنی نظر آئی۔ ''اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان'' (الانعام۔ ۶۱) اللہ تو اپنے بندوں پر پورے طور پر مستولی' مقتدر ہے اور قابو یافتہ ہے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی پتا تک جنبش نہیں کھاتا۔ یہ کائنات پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے کنٹرول میں ہے اور انسانوں میں سے بھی کسی کا خواہ کوئی ارادہ ہو اللہ کا اذن ہو گا تو وہ اپنے ارادے پر عمل پیرا ہو سکے گا۔ ''وہ اپنے تمام بندوں پر پورے طور پر قابو یافتہ ہے''۔ اس کے قابو سے باہر کوئی نہیں ہے۔ سب کے دل اس کی انگلیوں کے مابین ہیں آج آپ سخت دشمنی کے ارادے سے کسی کے لئے نکلے ہوں راستے ہی میں اللہ آپ کے دل میں اس کے لئے محبت پیدا کر سکتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے مابین ہیں جدھر چاہتا ہے' ادھر کر دیتا ہے۔ فرمایا گیا کہ اللہ تم پر اپنے نگہبان بھیجتا رہتا ہے۔ یہ یونہی نہیں ہو جاتا۔ فرشتے اللہ کے حکم سے حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے۔ بسااوقات آدمی محسوس کرتا ہے کہ زناٹے کے ساتھ کوئی گاڑی اس کے اتنے قریب سے گزری ہے کہ وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کسی نے ہاتھ دے کر اسے بچایا ہے۔ ورنہ اس کے بچنے کا کوئی امکان نہیں

تھا۔ اگرچہ وہ ہاتھ نظر نہیں آتا لیکن در حقیقت وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی فرشتہ ہے کہ جس نے اس کو بچایا۔

اسی سورہ مبارکہ کی آیت نمبر ۶۵ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "کہئے کہ اسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں بھڑادے مختلف فرقوں میں تقسیم کر کے اور چکھادے ایک کو لڑائی ایک کی"۔ (الانعام۔ ۶۵) بدترین عذاب کی صورت وہ تیسری ہے جو اس وقت ہم پر آسکتی تھی لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں بچایا ہے۔

اقتدار اعلیٰ کا بھی شکریہ

ان چند حوالہ جات سے آپ سب حضرات سے استدعا کروں گا کہ پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر ادا کریں۔ اس وقت اس بات کا پورا امکان موجود تھا کہ ہمارے لئے بہت سی تباہی و بربادی کا سامان خود ہمارے کرتوتوں کی وجہ سے ہو جاتا۔ اللہ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمیں اس سے بچایا۔ یہاں ایک حدیث نبویؐ کا حوالہ بھی بے محل نہ ہو گا۔ کہ جہاں اللہ کا شکر ہے وہاں بندوں کا شکریہ بھی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا"۔ اور سورۂ لقمان میں فرمایا گیا "کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا"۔ (لقمان۔ ۱۴) اسی لئے ہمیں شعوری طور پر شکریہ ادا کرنا ہے سب سے پہلے پاکستان کی مسلح افواج کا اور بالخصوص جنرل مرزا محمد اسلم بیگ صاحب کا جو اس وقت ہمارے چیف آف دی آرمی سٹاف اور کمانڈر انچیف ہیں۔ تمام مسلح افواج نے بالعموم اور انہوں نے بالخصوص اس ملک و ملت پر جو احسان کیا ہے تو پوری قوم کے ذمّے ہے کہ ان کا شکریہ ادا کرے۔ بلکہ میں یہاں یہ کہنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ افواج پاکستان کے ذمّے ایک بہت بڑا قرض تھا جو انہوں نے ادا کر دیا ہے۔ مسلسل مارشل لاء جو یہاں چلتے رہے ہیں، پہلے ایوب خان کا مارشل لاء تھا اور پھر یحییٰ خان کا مارشل لاء اور آخر میں ضیاء الحق صاحب کا طویل ترین مارشل لاء۔ تو اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ پوری فوج اس میں ملوث (INVOLVE) نہیں ہوا کرتی، صرف اوپر کی سطح کے کچھ لوگ ہوتے ہیں جو مختلف جگہوں پر مارشل لاء کی ڈیوٹی ادا کرتے رہے ہیں، بدنامی پوری فوج کے ذمّے آتی ہے۔ چنانچہ لوگوں میں جو نفرت پیدا ہو گئی تھی وہ پوری فوج کے بارے میں تھی اور ملک و ملت کے

مستقبل کے اعتبار سے یہ معاملہ انتہائی خوفناک تھا۔ اللہ تعالیٰ افواج پاکستان کے سربر آوردہ حضرات کو اس کا اجروثواب عطافرمائے کہ انہوں نے قوم کا ایک بہت بڑا قرض ادا کر دیا جیسا کہ میں اکثر مصری افواج کا حوالہ دیا کرتا ہوں کہ ۶۷ء میں انہیں یہودیوں کے ہاتھوں جو نہایت ذلت آمیز شکست ہوئی تھی' واقعہ یہ ہے کہ ۷۳ء کی رمضان کی جنگ میں انہوں نے قرض چکا دیا اور اپنے ماتھے پر سے کلنک کا ٹیکہ دھوڈالا۔ اس وقت امریکہ کو بالکل عریاں ہو کر سامنے آنا پڑا اور نہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس وقت وہ اسرائیل کو اس طریقے پر PROTECT نہ کرتا جیسے کہ وہ خود اس کی اپنی ریاست ہو' تو اسرائیل کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ گولڈا میئر اس وقت اس درجے مایوس ہو چکی تھی کہ اس نے خود لکھا ہے کہ میں خودکشی کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے اس وقت افواج پاکستان کا اور خصوصاً جنرل اسلم بیگ صاحب کا کہ واقعتاً بہت بڑا دھبہ تھا افواج پاکستان کے ماتھے پر جس کو انہوں نے دھو دیا' بہت بڑا قرض تھا ملک وملت کا جو انہوں نے ادا کر دیا۔

اس کے بعد ہم اپنے موجودہ صدر جناب غلام اسحاق خان صاحب کے بھی مشکور وممنون ہیں کہ یہ مرحلہ طے کرنے میں انہوں نے اپنے حصّے کا کام کر دیا ہے پھر ہماری بالاتر عدلیہ بھی بجاطور پر شکریئے کی مستحق ہے کہ اس نے بھی اپنا فرض بحسن وخوبی ادا کیا ہے۔ پھر الیکشن کمیشن نے جس طریقے سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا ہے وہ بھی قابلِ تحسین ہے اور اس کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں شکر گزار ہونا چاہئے مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کا کہ اگر ان کے اندر بھی صحیح صورتحال کا شعور نہ ہوتا اگر یہ لوگ ہنگامہ آرائی پر تل ہی گئے ہوتے تو فتنہ وفساد کی بڑی گرم بازاری ہوتی۔ پھر پاکستان کے تمام عوام کو بھی ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ اس موقع پر صورتحال کو پرامن رکھنے میں جس جس کا جتنا بھی حصہ ہے وہ اسی قدر شکریئے کا مستحق ہے۔

اس پوری صورتحال کا اگر بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے کچھ اور پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ جو نتائج سامنے آئے ہیں فطری طور پر بعض حضرات ان پر ملول و غمگین ہوں گے جس کسی کی بھی بہت گہری سیاسی وابستگی کسی جماعت یا فرد کے ساتھ تھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس جماعت یا فرد کی شکست پر دل گرفتہ اور رنجیدہ خاطر ہو۔ لیکن صورتحال کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو میرے سامنے اس وقت چار پہلو ایسے ہیں کہ جو ملک وقوم کے مستقبل کے اعتبار سے نہایت خوش آئند ہیں اور انہیں بجاطور پر ایک اچھا شگون قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان مثبت اور

خوش آئند پہلوؤں میں سے اہم ترین یہ ہے کہ جو کھلم کھلا مخالفِ پاکستان قوت تھی وہ ان انتخابات کے نتیجے میں بالکل سرنگوں ہو گئی۔ جئے سندھ کی جس طرح ناک رگڑی گئی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ پاکستانی مسلمانوں ہی کے لئے نہیں پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے نہایت خوش آئند ہے۔ اس لئے کہ میں پاکستان کو صرف پاکستانیوں ہی کے لئے اہمیت کی شے نہیں سمجھتا بلکہ میرے نزدیک تو یہ پورے عالمِ اسلام کا اثاثہ ہے میں نے بارہا یہ کہا ہے کہ میں قیامِ پاکستان کے معاملے کو اور اس کے اب تک کے بقاء کو اسلام کے احیاء اور اس کے عالمی غلبے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طویل المیعاد سکیم کا ایک جزو سمجھتا ہوں۔ اس اعتبار سے اس جماعت یا اس فرد کی شکست نہایت خوش آئند ہے کہ جو برملا یہ کہہ رہا تھا کہ اس ملک کو توڑ دینا چاہئے، جس کی سرگرمیاں مخالفِ پاکستان ہی نہیں مخالفِ اسلام تھیں، جس نے اپنی کتابوں کے ذریعے سے اسلام کی جڑیں کھودی ہیں اور وہاں کے تعلیم یافتہ ذہنوں میں یہ زہر بری طرح سرایت کر رہا تھا یہ سمجھنا بھی غلط ہو گا کہ وہ زہراب ختم ہو گیا ہے۔ اس کے اثرات ابھی موجود ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس گروہ کی ناک بری طرح رگڑی گئی ہے اور ثابت ہو گیا ہے کہ سیاسی سطح پر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ آپ کو یاد ہو گا میں نے بارہا کہا ہے کہ خدارا سیاسی عمل کو جاری رہنے دو اور الیکشن کی راہ کی رکاوٹ مت بنو اس لئے کہ مارشل لاء کی چھتری تلے مخالفِ پاکستان قوتیں پھلتی پھولتی ہیں اور انہیں فروغ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے کہ مشرقی پاکستان کے بارے میں میں نے کہا تھا وہاں پاکستان کے مخالفین کی اکثریت کبھی بھی نہیں رہی لیکن یہ ہماری اپنی غلط پالیسیاں اور غلط اقدامات تھے جن کی وجہ سے طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی اور ہم نے اپنی غلطیوں سے ان لوگوں کو دلیل فراہم کر دی جو پاکستان کے دشمن تھے۔ بالکل یہی کچھ سندھ میں ہو رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں تو دشمنوں کو دودھ پلا پلا کر پالا گیا ہے۔

پاکستان کے دشمنوں کی سرکوبی

آپ کو شاید اس کا احساس نہ ہو مجھے خوب اندازہ ہے کہ کس قدر شدید خطرات اس وقت سندھ میں پاکستان کو لاحق تھے۔ میں نے پوری کتاب اس موضوع پر لکھی ہے حالانکہ میں سیاست کے میدان کا کھلاڑی نہیں ہوں۔ میں "استحکامِ پاکستان" کے بعد "اسلامی انقلاب" کے موضوع پر کتاب لکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے پوری کتاب لکھنا پڑ گئی مسئلہ سندھ پر۔ جس کے آغاز میں میں نے خدشہ ظاہر کیا تھا اور جلی حروف میں لکھا تھا کہ وہ ایک ہی سن ہجری یعنی

۹۳ء اور ۷۱۲ء جس میں اسلام داخل ہوا تھا یورپ میں اسپین کے راستے اور ہندوستان میں سندھ کے راستے۔ آج پانچ سو برس ہونے کو آئے کہ اسپین سے اسلام کا خاتمہ ہو چکا' کہیں وہ وقت تو نہیں آ گیا کہ پورے برعظیم پاک وہند سے اسلام کا خاتمہ اسی سندھ کے راستے سے ہو جہاں سے اسلام داخل ہوا تھا۔ اس لئے کہ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ پاکستان کو کچھ ہو جانے کا مطلب صرف پاکستان ہی کا نقصان نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک یہ چیز پورے برعظیم پاک وہند سے اسلام کے خاتمے کی تمہید بن جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دل میں شاید اللہ کے لئے اس حمد و شکر کے وہ جذبات موجزن نہ ہوں جو میرے قلب کی گہرائیوں سے اس وقت نکل رہے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اس پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا بھی درست نہ ہو گا۔ وہ زہر ابھی وہاں سرایت کئے ہوئے ہے۔ ہمارے طرز عمل میں پھر اگر کوئی غلطی ہوئی تو جیسا کہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے "بعید نہیں تمہارے رب سے کہ تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے"۔ (بنی اسرائیل۔ ۸) تم نے دیکھ لیا کہ تمہارا رب تم پر رحمت فرمانا چاہتا ہے لیکن تم نے وہی طرز عمل اختیار کیا تو ہم بھی پھر وہی طرز عمل اختیار کریں گے تو ابھی ہمیں ضرورت ہے کہ اپنے طرز عمل کو صحیح رکھیں اور اپنا پورا جائزہ لیتے رہیں۔ لیکن بہرحال اس وقت لمحۂ شکر ہے اور موجودہ صورتحال کا یہ پہلو تو بہت ہی خوش آئند ہے کہ کھلم کھلا مخالفِ پاکستان اور مخالفِ اسلام قوت کو بہت ہی شرمناک ہزیمت ہوئی ہے۔ انہیں تو جرأت ہی نہیں ہو سکی کہ میدان میں آئیں اور ان کا کوئی بھی سپورٹر ان انتخابات میں کامیاب نہیں ہوا۔

دوسرا خوش آئند پہلو حالیہ انتخابات میں یہ سامنے آیا ہے کہ نظریۂ پاکستان کی مخالف قوتوں کو بھی اس موقع پر منہ کی کھانی پڑی۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ ہمارے ملک میں نظریہ پاکستان کو خطرہ دو جماعتوں سے ہے۔ ایک کا تعلق جنوب مشرق سے اور دوسرے کا شمال مغرب سے ہے۔ دونوں کا عنوان ایک ہی ہے یعنی عوامی نیشنل پارٹی۔ جنوب مشرقی گوشے سے جو عوامی نیشنل پارٹی ابھر رہی تھی اس کے روح رواں رسول بخش پلیجو اور جام ساقی وغیرہ ہیں۔ یہ لوگ پکے سوشلسٹ بلکہ مارکسسی ہیں اور بڑی تیزی سے ابھرتی ہوئی آندھی کی مانند اس گوشے سے ابھر رہے ہیں۔ دوسری جانب ادھر روس کے زیر اثر ولی خان ہیں جو ہمیشہ مسلم لیگ اور قائداعظم کی شخصیت میں کیڑے نکالنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ ان کی ساری تحقیق و جستجو کا ہدف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کسی طور تحریکِ پاکستان اور اس کے زعما کو بدنام کیا

جائے۔ تو اللہ کا شکر ہے کہ ان دونوں قوتوں کی بھی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ کر رہ گئی ہے۔ سندھ میں تو خیر ان کا ایک آدمی بھی کامیاب نہیں ہوا لیکن جس شرمناک شکست کا سامنا انہیں صوبہ سرحد میں کرنا پڑا ہے وہ بھی میرے نزدیک پاکستان کے مستقبل کے اعتبار سے بہت خوش آئند ہے۔

سندھ، بلوچستان اور پیپلز پارٹی

ابھی تک جو دو باتیں میں نے کہیں وہ تو سب لوگوں کو اپنے دل کی آواز معلوم ہوئی ہوں گی، لیکن تیسری بات جو میں کہنے والا ہوں وہ شاید آپ سب کو پسند نہ آئے۔ اسے سمجھنے کے لئے ذہن و قلب کو ذرا وسعت دینی ہوگی۔ سندھ میں پیپلز پارٹی کی اس بھرپور ہمہ جہت کامیابی کو میں پاکستان کے حق میں ووٹ تصور کرتا ہوں۔ اس لئے کہ اندرون سندھ پاکستان کا نام لینے والے جونیجو اور پیر پگاڑہ کی طرح کے دو چار افراد ہی تھے جن کی سیاسی حیثیت کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ یہ لوگ سندھ میں مخالف پاکستان طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مقابلہ کرنے والا پاکستان کا حامی عنصر (PRO-PAKISTAN ELEM-ENT) اگر وہاں موجود تھا تو صرف پیپلز پارٹی کی شکل میں۔ میرے احباب جانتے ہیں کہ میں کہتا رہا ہوں کہ فیڈریشن کی علامت اندرون سندھ صرف پیپلز پارٹی بن کر رہ گئی ہے تو درحقیقت پیپلز پارٹی کے لئے یہ ووٹ اندرون سندھ پاکستان کے حق میں تھا۔ اصل میں یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مختلف علاقے کے لوگوں کی سوچ مختلف ہے۔ ایک دوسرے کے علاقوں کے حالات سے لوگ واقف نہیں آپ کی اکثریت کو معلوم نہیں ہے کہ سندھ کے حالات کیا ہیں۔ ہم لوگ اپنی اپنی کلھیوں کے اندر گڑ پھوڑتے رہتے ہیں، اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کے خیالات و احساسات ہی کو پورے ملک کے لئے پیمانہ قرار دے کر بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔ ذرا چل پھر کر دیکھئے کون کون سی قوتیں وہاں کارفرما ہیں! لوگوں کے احساسات اور خیالات کیا ہیں! تب آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہاں پیپلز پارٹی کی یہ بھرپور کامیابی کیا معنی رکھتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ کے مشاہدے میں وسعت ہوگی تبھی یہ بات بھی سمجھ میں آئے گی کہ بلوچستان میں پیپلز پارٹی کو ایک آدھ سیٹ کے سوا کوئی نمایاں کامیابی حاصل کیوں نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ وہاں کے لوگوں کو یہ احساس ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور میں ان پر آرمی ایکشن ہوا تھا اور ان کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ پیپلز پارٹی کے بارے میں بلوچستان کے لوگوں کے جو احساسات ہیں وہ

آپ کے نہیں ہو سکتے...... تو مختلف علاقے کے لوگوں کے احساسات مختلف ہوتے ہیں جنہیں مدِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ بہر کیف حالیہ انتخابات کے خوش آئند پہلوؤں میں سے تیسرا میرے نزدیک یہ ہے کہ سندھ میں پیپلز پارٹی کو جو متفقہ ووٹ ملا ہے اسے میں پاکستان کے حق میں ووٹ قرار دیتا ہوں اور یہ بات بلاشبہ نہایت خوش آئند ہے۔

ایک اور خوش آئند علامت

چوتھی خوش آئند چیز وہ خوشخبری ہے جو ابھی اخبارات کے ذریعے سے آپ تک نہیں پہنچی۔ میرے ایک ساتھی نے کراچی سے ٹیلی فون پر اس کی خبر مجھے دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کراچی میں ایم کیو ایم نے جو بے مثال کامیابی (SWEEPING MAJORITY) حاصل کی ہے پاکستان میں الیکشن کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ لیکن شاید آپ کو یاد ہو کہ ایم کیو ایم کا آغاز بڑا خوفناک تھا۔ میں "استحکام پاکستان" کے اگلے حصے "اسلامی انقلاب کیا، کیوں اور کیسے؟" کی تالیف کے خیال سے حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہو رہا تھا۔ کراچی میں چند گھنٹے مجھے ٹھہرنا پڑا۔ اس مختصر وقت میں کراچی کی فضا میں مجھے شدید تناؤ محسوس ہوا۔ ان دنوں ایم کیو ایم قوت پکڑ رہی تھی اور تشدد اور خون ریزی کے واقعات عام ہو چکے تھے۔ میرے اعصاب پر کراچی کے ان حالات کا اتنا شدید دباؤ پڑا کہ حجازِ مقدس میں دس دن تک گویا میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ ایک سکتے کی کیفیت مجھ پر طاری رہی۔ پھر میں نے قلم اٹھایا تو "اسلامی انقلاب" کی بجائے "مسئلۂ سندھ" پر ایک پوری کتاب وجود میں آگئی۔ اس لئے کہ ایم کیو ایم کا طوفان جب اٹھا تو اس میں تین چیزیں بہت نمایاں تھیں۔ مذہب اور مذہبی شخصیتوں کا شدید استہزاء اس کی بنیاد میں شامل تھا۔ پھر پاکستان اور نظریۂ پاکستان سے نفرت کی آمیزش بھی موجود تھی۔ خاص طور پر علامہ اقبال سے شدید نفرت کا اظہار کیا جا رہا تھا اور تیسری تشویش ناک بات یہ کہ ایک مخصوص مذہبی مکتب فکر کی روح اس میں سرایت کئے ہوئے تھی جس کا کردار ہماری پوری اسلامی تاریخ میں منفی رہا ہے۔ یہ تین چیزیں ایسی تھیں کہ جن کا مجھے شدید صدمہ ہوا تھا اور میں پاکستان کے مستقبل کے اعتبار سے بہت ہی اندیشوں میں مبتلا ہو گیا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے آباؤ اجداد کا تحریکِ پاکستان میں سب سے بڑھ کر حصہ تھا۔ مسلم لیگ کی پوری قیادت ان لوگوں کے بزرگوں پر مشتمل تھی، لیکن آج انہی کی اولاد کا حال یہ ہو گیا ہے کہ اسلام اور پاکستان سے نفرت ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ لیکن اب الحمدللہ

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایم کیو ایم کا معاملہ اس پہلو سے نمایاں طور پر بہتر (IMPROVE) ہوا ہے۔ الیکشن میں بے مثال کامیابی حاصل کرنے کے بعد ان کی طرف سے کراچی میں بڑے پیمانے پر ایک پوسٹر لگوایا گیا ہے جس میں انہوں نے پاکستان اور اسلام کے ساتھ اپنی پوری وابستگی (COMMITMENT) کا اظہار کیا ہے۔ اگرچہ اس کے آثار میں پہلے سے دیکھ رہا تھا اور بعض حضرات سے میری اس موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی، لیکن اب اس پر ان کی طرف سے پوسٹر کا نکل آنا نہایت خوش آئند ہے۔ اسی طرح وہ منفی مذہبی مکتبۂ فکر جو اس میں سرایت کر گیا تھا، اس سے بھی الحمدللہ انہوں نے بہت حد تک اپنا دامن چھڑا لیا ہے۔ ایم کیو ایم کے سلسلے میں یہ تین چیزیں پاکستان اور اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے نہایت خوش آئند ہیں۔ مختصراً یہ کہ میں نے وہ چار پوائنٹس آپ کو گنوا دیئے ہیں جو اس الیکشن کے نتیجے میں خوش آئند معلوم ہوتے ہیں۔

انتقال اقتدار کا مرحلہ

اب تیسری بات آپ کے سامنے عرض کرنی ہے کہ انتقالِ اقتدار کے مرحلے پر بھی جن کا میں نے پہلے شکریہ ادا کیا ہے دوبارہ انہی سے درخواست کرنی ہو گی کہ اس معاملے میں بھی کسی حیص بیص میں مبتلا نہ ہوں۔ سیاست دان چکر دینے کی کوشش کریں گے، ان کو اس کام میں بڑی مہارت حاصل ہے لیکن ہماری سب سے یہی درخواست ہو گی کہ اس چکر میں نہ پڑیں۔ عوام کو بھی ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے اور سیاسی جماعتوں کو بھی ان امور پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ یہ کوئی آخری مقابلہ تو ہے نہیں۔ الیکشن کی پٹڑی پر یہ گاڑی اگر چل پڑی تو میرا اندازہ ہے کہ اوّل تو دو ڈھائی سال کے اندر اندر ورنہ پانچ سال کے بعد تو الیکشن ضرور ہوں گے۔ لہٰذا اس معاملے کو 'SPORTSMAN SHIP' کے انداز میں لینا چاہئے۔ یہ کوئی ابدی شکست یا ابدی فتح کا معاملہ نہیں ہے۔ سیاسی افق پر بڑے بڑے زعماء نمودار ہوتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں گم ہو جاتے ہیں۔ اونچ نیچ ہوتی ہی رہتی ہے۔ لہٰذا اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنانے کی بجائے جو بھی RULES OF THE GAME ہیں ان کے مطابق اس معاملہ کو لے کر چلنا چاہئے۔ ورنہ شدید اندیشہ ہے اس میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو اس سارے کے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ یہ ساری محنت اور اربوں روپے کا صرف اکارت جائے گا۔ چنانچہ موجودہ صورتحال کے جو بھی منطقی تقاضے ہیں، ان کو پورا کرنا چاہئے۔ اس میں نہ تو کسی

شخص کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی شخصیت ہو' آڑے آنا چاہئے نہ سیاسی جماعتوں کو کسی غلط رخ پر اس پروسس کو ڈالنا چاہئے۔ سب کا فرض ہے کہ مل جل کر جو بھی اس وقت جمہوریت چل رہی ہے' اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ ایک جمہوریت وہ ہے جس کا عکس ہمارے ذہنوں میں اسلامی جمہوریت کی شکل میں محفوظ ہے۔ وہ جمہوریت تو بالفعل موجود ہی نہیں۔ تو جو بھی اس وقت بالفعل (DE FACTO) صورتحال ہے اس کے مطابق اس معاملے کو طے کیا جانا چاہئے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ اب پیپلز پارٹی کا کھلا حق ہے کہ اسے بلاتاخیر حکومت بنانے کی دعوت دی جائے۔ وہ کسی اتحاد میں شریک ہوئے بغیر سنگل پارٹی کی حیثیت سے اتنی بڑی تعداد میں سیٹیں لے گئی ہے جس کا خود مجھے بھی اندازہ نہ تھا۔ میں یہ تو توقع کرتا تھا اور اس کا اظہار گذشتہ پانچ چھ برس سے میں اپنے ساتھیوں کے سامنے کرتا رہا ہوں کہ بھٹو کا ایک بلینک چیک (BLANK CHEQUE) پیپلز پارٹی کے پاس موجود ہے۔ آپ الیکشن کو کتنے ہی التواء میں ڈال دیں اور مؤخر کر دیں لیکن جب بھی الیکشن منعقد کرایا جائے گا وہ چیک ایک بار ضرور کیش ہو گا اور پیپلز پارٹی واحد اکثریتی جماعت (SINGLE MAJORITY GROUP) کی حیثیت سے ابھر کر آئے گی' لیکن جس نوع کی کامیابی حالیہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کو حاصل ہوئی ہے وہ میرے اندازوں سے بڑھ کر ہے۔

الیکشن سے متصلاً قبل جو صورتحال تھی اس میں یہ چیز میں واضح طور پر دیکھ رہا تھا کہ ہر گزرنے والے دن میں پیپلز پارٹی کی پوزیشن سندھ میں بہتری کی طرف اور پنجاب میں تنزلی کی جانب مائل تھی۔ اس لئے کہ پنجاب میں واقعتاً نواز شریف صاحب کی صورت میں ایک قیادت ابھری ہے۔ اس قیادت نے کام کر کے دکھایا ہے۔ بڑی محنت ومشقت کی ہے۔ جو بھی وقت ملا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی جواں ہمتی اور قوت کار کا مظاہرہ کیا ہے اور پھر یہ کہ سوسائٹی کے مختلف طبقات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے تو واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے پنجاب میں بہت کچھ حاصل (GAIN) کیا ہے اور جیسا کہ میں نے متعدد بار عرض کیا ہے کہ اب یہ نہ سمجھئے کہ اس ملک کی حکومت پھولوں کی سیج ہے۔ یہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ اب جو بھی حکومت میں آئے گا اسے کام کرنا ہو گا۔ اس لئے کہ اب فضا بدل چکی ہے' لوگ جاگ گئے ہیں۔ کچھ علاقے ہیں جہاں لوگ ابھی سوئے ہوئے ہیں لیکن اکثر وبیشتر علاقوں میں لوگوں کو اپنے حقوق کا احساس ہو گیا ہے۔ اب ان کے اندر حکومت اور سیاسی قیادت کے احتساب کا مادّہ پیدا ہو چکا ہے۔ لہٰذا جو یہاں آئے گا اسے کام کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ اسے

نظر آئے گا کہ چند سالوں کے بعد اسے پھر احتساب کے کٹہرے کے اندر کھڑا ہونا ہو گا۔ اور یہی جمہوریت کا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

پیپلز پارٹی کا حق تسلیم کیا جائے

حاصل کلام یہ کہ پیپلز پارٹی کو جو ان انتخابات میں واحد اکثریتی جماعت کی شکل میں ابھر کر آئی ہے' اس کا حق ملنا چاہئے اور جمہوری سیاست کے مروجہ اصولوں کو پورا کیا جانا چاہئے۔ کسی بھی دلیل یا چال بازی کے ذریعے اگر اس کے جائز حق کو غصب کرنے کی کوشش کی گئی تو سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا اور تباہی گویا پھر آپ کے سروں کے اوپر مسلط ہو جائے گی۔ خاص طور پر میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں۔ بہت سے لوگ بڑے دھڑلّے کے ساتھ کہتے رہے ہیں کہ بھٹو نے پاکستان کو توڑا۔ اگر وہ ۷۰ء کے الیکشن کے نتیجے تسلیم کرتا اور شیخ مجیب الرحمان کی عوامی لیگ کو جو سب سے بڑی پارٹی کے طور پر سامنے آئی تھی' حکومت بنانے کی دعوت دی جاتی تو یہ ملک نہ ٹوٹتا۔ اس منطق کو موجودہ صورتحال پر منطبق کر کے غور کیجئے کہ اگر اس موقع پر پیپلز پارٹی کے حق کو نظرانداز کر دیا گیا تو کیا یہ اسی نوع کا معاملہ نہیں ہو گا جو ۷۰ء میں عوامی لیگ کے ساتھ روا رکھا گیا تھا اور جس کے نتیجے میں ملک دولخت ہوا تھا۔ میری دانست میں یہ اس وقت کی غلطی سے دس گنا بڑی غلطی ہو گی۔ اس لئے کہ عوامی لیگ کا تو سوائے مشرقی پاکستان کے' دیگر کسی صوبے میں وجود ہی نہیں تھا۔ وہ ایک خالص علاقائی پارٹی تھی' جبکہ پیپلز پارٹی نے ملک کے اہم ترین صوبے یعنی سندھ میں نہ صرف یہ کہ مکمل ترین اکثریت حاصل کی ہے بلکہ پنجاب میں بھی اسے اسلامی جمہوری اتحاد پر برتری حاصل ہے۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں بھی اس کا شمار بڑی جماعتوں میں ہوتا ہے اور بلوچستان میں بھی ایک سیٹ کی شکل میں ان کی نمائندگی موجود ہے۔ صوبہ سندھ میں تو اس نے اس طور سے برتری حاصل کی ہے کہ وہاں کسی اور سیاسی جماعت کا سوائے ایک محدود علاقائی جماعت کے' وجود ہے ہی نہیں۔ اس اعتبار سے کسی جوڑ توڑ کے ذریعے اور بعض آزاد امیدواروں کی قیمتیں لگوا کر یا کسی بھی ہتھکنڈے سے اگر ان کے حق کو غصب کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہی نہیں بہت بڑی غلطی ہو گی اور جمہوریت کی بحالی کیلئے کی گئی تمام کوششیں...... اور یقیناً ان کوششوں میں تمام سیاسی جماعتوں کا حصہ ہے...... ضائع ہو جائیں گی۔

عورت کی سربراہی کا مسئلہ

اس مسئلے کا ایک پہلو ایسا ہے جس کے بارے میں ہم سب کے دلوں میں ایک کھٹک موجود ہے اور جو ایک سوال کی صورت میں ہم میں سے بعض کی زبانوں پر وقتاً فوقتاً آتا رہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک عورت کا سربراہ بننا اسلام کے نقطۂ نگاہ سے کیسا ہے؟ صحیح ہے کہ غلط؟ جائز ہے کہ ناجائز؟ خاص طور پر میرا معاملہ یہ ہے کہ عورتوں ہی کے مسئلے میں' میں سب سے زیادہ بدنام ہوں۔ یہاں تک کہ ضیاءالحق صاحب نے بھی مجھ سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ ۵ر مئی ۸۲ء کو جب میں مجلس شوریٰ سے اپنا استعفیٰ پیش کرنے گورنر ہاؤس گیا تھا تو وہاں صدر صاحب نے فرمایا کہ فلاں پرچے میں آپ کے بارے میں ایک مضمون چھپا ہے جس میں آپ کے بارے میں بڑے تعریفی کلمات بھی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ شکوہ بھی ہے کہ عورتوں کے معاملے میں ذرا سخت ہیں۔ اس معاملے میں نرمی کر لیں تو سب ٹھیک ہو جائے۔ میں نے صدر صاحب سے عرض کیا تھا کہ "کیا آپ مجھے یہ SUGGEST کر رہے ہیں؟"

تو واقعہ یہ ہے کہ اگر میں اپنے ضمیر کے خلاف اپنی رائے بدلوں گا تو میں تو ختم ہو جاؤں گا' میری تو اخلاقی موت وہیں پر واقع ہو جائے گی۔ دلیل سے بات کیجئے اور مجھے قائل کیجئے کہ اسلام میں عورت کا مقام کیا ہے؟ اسلام کا عائلی نظام کیا ہے؟ اس وقت میں نے وہ الفاظ بھی کہے تھے کہ آپ نے شرعی عدالت قائم کی ہے اور اس میں اپنے منتخب کردہ علماء کو بٹھایا ہے۔ یقیناً یہ بہت بڑا انقلابی قدم ہے لیکن عائلی قوانین کے معاملے میں ان کے ہاتھ باندھ کر آپ نے اس سارے کام کی نفی کر دی ہے۔ مقامِ تعجب ہے کہ اس عدالت پر آپ کو یہ اعتماد بھی نہیں ہے کہ وہ عائلی قوانین کے بارے میں صحیح رہنمائی دے سکتی ہے! حالانکہ یہ علماء آپ کے اپنے منتخب کردہ ہیں۔ تو کیا آپ کو ان کی دیانت پر اعتماد نہیں ہے یا ان کے علمِ دین کے بارے میں شکوک لاحق ہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ عورتوں کے معاملے میں جو میں کہتا ہوں وہ مان لیں۔ میں کون ہوتا ہوں! اتھارٹی آپ ہیں نہ میں! جب آپ نے بھی مان لیا کہ اتھارٹی تو اللہ ہے تو شرعی عدالت کے ہاتھ کھول دیجئے۔ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں جو فیصلہ کریں گے وہ ہمیں منظور ہو گا۔ بہرحال عورتوں کے مسئلے میں اور ستر و حجاب کے معاملے میں جس شخص کے نظریات اتنے واضح اور بنیاد پرستانہ ہوں کہ امریکہ کے چار کونوں کے اہم اخبارات میں اس کے بارے میں مقالات شائع ہوئے ہوں تو ظاہر ہے کہ عورتوں کے بارے میں ایسے شخص کے نظریات

ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ لیکن عورت کی سربراہی کے مسئلے کو میں ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میری وہ رائے اپنی جگہ پر قائم ہے اور میرا قطعی مؤقف یہی ہے اسلام کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اسلام عورت کا یہ مقام نہیں سمجھتا اور اس کے اوپر یہ ذمہ داری نہیں ڈالتا کہ ملکی معاملات اس کے ہاتھ میں ہوں اور اسے حاکمِ وقت کا مقام دیا جائے۔ یہ چیزیں اسلام کے مزاج اور روح کے منافی ہیں' لیکن میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ ڈھائی تین سال پہلے جنگ فورم کراچی میں یہ سوال مجھ سے کیا گیا تھا کہ کسی عورت کا سربراہِ حکومت بننا اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں نے کہا تھا یہ اسلام کے مطابق نہیں ہے' اسلام کی روح کے منافی ہے۔

انہوں نے سوال کیا اگر بے نظیر وزیر اعظم بن گئیں تو آپ کیا کریں گے؟ میں نے جواب دیا برداشت کریں گے۔ اور کتنے ہی منکرات ہمارے معاشرے میں ایسے ہیں جنہیں ہم برداشت کر رہے ہیں۔ مارشل لاء کو برداشت کرتے ہوئے ہمیں آٹھ سال بیت گئے ہیں۔ منکرات کے خلاف جدوجہد کرنے کا بھی ایک طریقہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کوئی کھڑا ہو جائے' نعرے مارے اور اسی وقت جا کر ہنگامہ کھڑا کر دے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کر سکتے تھے کہ ابتدائی مکی دور ہی میں بتوں کو تڑوا دیتے۔ چار چھ افراد کی جانیں پیش کرنی پڑتیں۔ ستر جانوں کا ہدیہ تو غزوۂ احد میں بھی دینا پڑا تھا۔ مکی دور میں بھی ایسے فدائین موجود تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم وابرو کے اشارے پر گردنیں کٹوانے کو بے تاب تھے۔ وہ سارے بتوں کو توڑ ڈالتے' لیکن آپؐ نے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ وحی کے آغاز کے تیرہ سال بعد تک حضورؐ اسی گھر کا طواف کرتے رہے جس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ ہاں جب اپنے انقلابی عمل سے گزر کر اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو پہلا کام یہ کیا کہ ایک ایک بت کو توڑ ڈالا۔ پھر ان بتوں کا وجود ایک لحظے کیلئے گوارا نہ فرمایا۔ یہ ہے طریق کار منکرات کے خلاف جہاد کا۔ غور کیجئے کہ اگر آغازِ وحی کے وقت ہی سارے بت توڑ دیئے جاتے تو اس وقت ابھی آپ کو زمین میں وہ غلبہ عطا نہیں ہوا تھا کہ مشرکین کو قوت کے بل پر بت گری سے روک سکتے۔ چند دنوں کے اندر اندر وہ پھر دو چار سو بت اپنے ہاتھوں سے تراش کر کعبہ میں رکھ دیتے۔ لیکن ۱۰ر رمضان المبارک ۸ھ کو فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ نے بتوں کو توڑا تو اس دن سے آج تک کعبے پر کسی بت کا پرچھانواں نہیں پڑا۔ یہ ہے توازن اس انقلابی عمل کا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ تو یہ جان لیجئے کہ اگرچہ عورت کی سربراہی کا معاملہ اسلام کی

روح کے منافی ہے لیکن منکرات کے خلاف ہمیں اسی انداز سے عمل کرنا ہو گا جو ہمیں سیرت نبویؐ میں نظر آتا ہے۔

اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ کا معاشرہ اسلام کے منکرات سے بالکل پاک اور صاف ہے؟ یہاں کوئی اور منکر تو نہیں ہے جسے آپ برداشت کر رہے ہوں! مقامِ شرم ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت کی سربراہی کے معاملے سے ہزار گنا بڑے منکرات موجود ہیں جنہیں ہم بلا کھٹکے برداشت کر رہے ہیں لیکن اس مسئلے پر ہم اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنا الّو سیدھا کرنے کیلئے اسلام کی آڑ لے کر لوگوں کے جذبات مشتعل کرنے کے درپے ہیں۔ ذرا سود سے اس معاملے کا موازنہ کیجئے جو اس سے ہزار گنا بڑا منکر ہے۔ یہ درست ہے کہ عورت کی سربراہی کے خلاف احادیث میں اشارے ملتے ہیں۔ لیکن سود کی حرمت کا معاملہ تو قرآن میں اس انداز میں آتا ہے کہ اگر اس سے باز نہیں آتے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے اور حدیث میں سود کی حرمت اور شناعت کا ذکر اس قدر ہلا دینے کے انداز میں ہے کہ جھرجھری آ جاتی ہے۔ حضورؐ کے فرمان کے بموجب سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں جن میں سب سے ہلکا اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ موازنہ کیجئے اِس کو بھی تول لیجئے اُس کو بھی تول لیجئے۔ آپ میں سے کتنے ہیں جو سود سے بچے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے حاجی اور نمازی اور بڑے بڑے دین کے ٹھیکیدار سب اس حمام میں ننگے ہیں۔ ایک مسئلہ کو لے کر کھڑا کر دینا اور اس کو اپنے اعصاب پر سوار کر دینا جبکہ اس سے ہزار گنا جرم کو سب نظر انداز کر رہے ہوں' درحقیقت کم فہمی کا مظہر ہے۔

اپنے گھروں میں بھی جھانکیے

اللہ تعالیٰ زندگی میں مجھ پر وہ دن نہ لائے کہ میں دین کے کسی منکر کو معروف کا درجہ دے دوں' لیکن کبھی ذرا اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھئے کہ جس تہذیب کی نمائندہ (SYMBOL) بے نظیر ہے آپ میں سے کتنے ہیں جن کے گھر میں وہ تہذیب نہیں ہے! کتنوں کے گھر کے اندر شرعی پردہ موجود ہے؟ بڑے بڑے حاجی اور نمازی لوگوں کو میں نے دیکھا ہے لمبی لمبی داڑھیاں لے کر اپنی بے پردہ بہو' بیٹیوں اور بیویوں کو اپنے برابر کار میں بلکہ سکوٹروں پر اپنے پیچھے بٹھا کر لے کر جاتے ہیں۔ گریبان میں جھانکئے کون ہے جو اپنے گھر میں شرعی پردہ نافذ کرتا ہے! میں اگر پردے کی بات کرتا ہوں تو الحمد للہ کہ میں نے اپنے گھر میں

شرعی پردہ نافذ کیا ہے' لیکن یہ لوگ جو آج اسلام کے علمبردار بنے ہوئے ہیں' ان کی اپنی تہذیب اور تمدن وہی مغرب پرستانہ ہے۔ ضیاء الحق صاحب جا کر نئی نویلی دلہنوں کے ساتھ فوٹو نہیں کھنچواتے رہے؟ وہ ان سب خواتین اور دلہنوں کے محرم تھے؟ اور یہ شادی بیاہ کے مواقع پر جو فوٹو گرافر کے سامنے آپ کی بجی ہوئی دلہنیں آتی ہیں اور جو وڈیو فلمیں بنتی ہیں تو کیا یہ سب اسلام کے مطابق ہے!

ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکئے ہماری تہذیب کیا ہے' اس وقت ہم کہاں چلے گئے ہیں! حضورؐ کا فرمان ہے۔ "تمہارے اپنے اعمال تم پر حاکم بن جاتے ہیں" بارہا میں آپ کو یہ حدیث سنا چکا ہوں۔ "جیسے تم خود ہو گے' ویسا ہی تمہارے اوپر سربراہ آ جائے گا"۔ للہذا ملامت اگر کرنی ہے تو اپنے آپ کو ملامت کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے یہ ایک انڈکس ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلام سے کس قدر دور چلا گیا ہے۔ امریکہ میں آج تک عورت سربراہِ مملکت نہیں بنی' کسی کو خیال تک نہ آیا کہ وہ بھی الیکشن لڑ سکے۔ لیکن یہاں ہندوستان میں سربراہ بن گئیں اور اب پاکستان میں بھی کوئی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ پیپلز پارٹی والے اگر اپنے طور پر فیصلہ کر لیں کہ بے نظیر صاحبہ حکومت سے باہر بیٹھ کر پارٹی کو آرگنائز کریں اور سربراہ کے طور پر کسی مرد کو سامنے لے آئیں تو کیا ہی کہنے ہیں! لیکن آپ کے معاشرے نے ثابت کر دیا ہے کہ دین کی اقدار کے ساتھ اس کا کتنا تعلق ہے۔ نام نہاد اسلامی جمہوری اتحاد نے جب عفیفہ ممدوٹ کو اپنا پارٹی ٹکٹ دے دیا ہے تو کم از کم ان کے منہ پر اب یہ بات بجتی نہیں کہ ایک عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ اچھی طرح سمجھئے کہ یہ معاملہ میرے نزدیک آج بھی منکر ہو گا' لیکن معاشرے میں بے شمار منکرات ہیں جو اس سے کئی گنا بڑے ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ منکر کے استیصال کا جو طریقہ محمد رسول اللہؐ نے سکھایا ہے اس کو اختیار کریں۔ انقلاب لائیں' معاشرے کی اقدار کو تبدیل کریں۔ اللہ کرے کہ ہماری کوششیں کامیاب ہوں' لیکن اس سے پہلے صرف ایک مسئلے کو مذہبی جذبات کے حوالے کر کے اور اس کی آڑ میں گاڑی کو غلط رخ پر موڑنے کی کوشش انتہائی بچکانہ سوچ ہے۔

اسلام اور عصرِ حاضر

اس معاملے میں' میں ایک بات اور عرض کر دوں کہ اس وقت جو ہماری سیاسی' قومی اور

ملی زندگی ہے اس کے بارے میں آج سے ڈھائی سال پہلے میرے قلم سے جو تحریر اللہ نے نکلوا دی تھی۔ "ندا" کے پچھلے شمارے میں شائع بھی ہوئی تھی، میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ میری اہم ترین تحریروں میں سے ہے! اس میں، میں نے مغربی تہذیب کا تجزیہ کیا ہے کہ یہ بھی کلیتہً صد فیصد غلط نہیں ہے۔ اس میں بھی حق اور باطل ملے جلے ہیں۔ غالب عنصر اس میں باطل کا ہے۔ بعض اوقات کسی درخت پر آکاس بیل اس طرح چھا جاتی ہے کہ درخت نظر ہی نہیں آتا، لیکن وہ بیل خود کھڑی نہیں ہو سکتی جب تک کہ نیچے وہ تنا موجود نہ ہو۔ باطل کھڑا ہی نہیں ہو سکتا حق کے بغیر۔ حق کا کوئی نہ کوئی جزوہ لیتا ہے تب اس کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ ہے مغربی تہذیب کا۔ اس دور میں جمہوریت اور سوشلزم یا یوں کہئے کہ عوام کے سیاسی حقوق اور معاشی عدل و انصاف کا ایک دھارا ایک خاص سمت میں جو بہہ رہا ہے تو یہ ایک تاریخی عمل کا حصہ ہے۔ ابھی تک وہ دھارا لادینیت کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ اگر آپ اس کا رخ دین کی طرف موڑ دیں تو بہت بڑا کمال ہو گا اور یہی درحقیقت کرنے کا کام ہے۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ اس دھارے کے آگے بند لگانا چاہیں گے تو خود بہہ جائیں گے، آپ کے بند بہہ جائیں گے۔ یہ تاریخ کا ایک بہاؤ ہے۔ ادھر آپ کو جانا پڑے گا۔ اب کوئی فردِ واحد قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والا بن کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اب ارتکازِ دولت اور معاشی ناانصافی کا دور بھی ختم ہو رہا ہے۔ اب خواہی نخواہی اس نظامِ عدلِ اجتماعی کی طرف جانا ہو گا جو اصلاً اسلام نے عطا کیا تھا اور اس کا نمونہ قائم کر کے دکھایا تھا۔ سماجی سطح پر کامل مساوات کا یہ تصور کہ کوئی پیدائشی طور پر ادنیٰ یا اعلیٰ نہیں، کوئی گھٹیا نہیں کوئی بڑھیا نہیں، سب برابر ہیں، ہاں اپنے کردار اور اخلاق سے اونچے ہو جاؤ، پیدائشی طور پر کوئی اونچا نیچا نہیں ہے، اسلام ہی کا عطا کردہ ہے۔ ؎ "تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے"۔ اور نظامِ معاشی میں ارتکازِ دولت کے خلاف یہ اصول کہ "تاکہ (سرمایہ) تم میں سے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش میں نہ رہے"۔ (الحشر۔ ۷) اسلام ہی نے نوعِ انسانی کو عطا کیا ہے۔ بہرکیف میں نے اپنی اس تحریر میں واضح کیا ہے کہ تہذیبِ مغرب کے اندر کارفرما بعض بنیادی اصول اسلام کی روح سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن اس کے اوپر خلافِ اسلام چیزوں کا ایک دبیز غلاف ہے جسے ہٹا کر اس کے اصل باطن کو نکھارنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ۶۷ء میں میں نے ایک تحریر لکھی تھی "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ" اس کے ساتھ اگر آپ مذکورہ بالا تحریر کو ملا کر پڑھیں تو میری سوچ اور میرے فکر کا پورا تانا بانا واضح طور پر آپ کے سامنے آجائے گا۔ میں نے کہا تھا کہ

اسلام میں جمہوریت اور سوشلزم کی بحث خواہ مخواہ چھیڑ دی گئی ہے۔ اگر اسلام میں جمہوریت ہے تو اسلام میں سوشلزم بھی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ

اسلام کا اپنا ایک نظامِ حیات ہے' کامل۔ اس میں جمہوریت بھی ہے' سوشلزم بھی۔ لیکن یہ دونوں چیزیں بہت سی باتوں کے ساتھ ہیں اور کمالِ توازن اس سے سوا' اور اسلام آئے گا تو اپنی جڑ پر ہی آئے گا' کسی اور کی جڑ پر نہیں آ سکتا۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ اس وقت جمہوریت کی تحریک چلے گی تو اس کے نتیجے میں سیکولر ڈیماکریسی آئے گی۔ اس لئے کہ آپ کا معاشرہ سیکولر ہے۔ مذہب کا تو تھوڑا سا ملمع ہے۔ ذرا سا رگڑ دیں تو برا نہ مانئے' اندر سے سیکولر ازم نکل آئے گا۔ ہر شخص کی سوچ پیسے کے گرد گھومتی ہے۔ خالص مادی سوچ اور ایک خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر ہے' جو ہم سب کم و بیش اپنائے ہوئے ہیں۔ سیکولر ازم ہمارے اندر سرایت کئے ہوئے ہے' لہٰذا جمہوریت ایسی ہی آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جمہوریت کی کسی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔ بحالیٔ جمہوریت کا سب سے بڑا حامی ہونے کے باوجود میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے بھی قریب نہ گیا' جو ایک مقدس عنوان کے تحت خالص سیاسی تحریک تھی۔ اس کی پاداش میں مجھے سمن آباد کی مسجد خضراء سے بے دخل کر دیا گیا۔ لیکن ملکِ خدا تنگ نیست' پائے گدا لنگ نیست' اللہ تعالیٰ جہاں بھی موقع دیں گے وہاں دین کی خدمت کرتا رہوں گا۔ ٹی۔ وی پر اگر پندرہ مہینے تک الہدیٰ کا پروگرام چلا تو وہ ایک خداداد موقع تھا' بند کر دیا گیا تو کیا' مجھے تو اپنا کام کرنا ہے۔ ذرائع اور مواقع میسّر ہوں اور میں انہیں استعمال نہ کروں تو میں مجرم ہوں۔

مذہبی جماعتوں کی حیثیت

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے' جو الیکشن کے نتائج سے اور زیادہ منکشف ہو کر سامنے آ گئے کہ ہمارا معاشرہ حقیقتاً اور واقعتاً سیکولر معاشرہ ہے۔ افراد کو چھوڑ دیجئے' افراد بڑے اونچے اونچے بھی ہوتے ہیں' بات اکثریت کی ہو رہی ہے کہ اکثر کا حکم ہی کُل کے اوپر لگایا جائے گا۔ میں نے اپنی تازہ تقریروں میں وضاحت سے کہا کہ مذہبی جماعتوں کی حیثیت محض ضمیموں کی ہے اور وہ ثابت ہو گئی۔ ان ضمیموں کا جو حشر ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ یاد ہو گا میں نے کہا تھا کہ دو ہی گروہ اپنی جڑیں رکھتے ہیں۔ ایک جمعیت علمائے اسلام فضل الرحمان گروپ اور دوسرا جماعت اسلامی۔ فضل الرحمٰن گروپ کا ذرا سا جھکاؤ بائیں بازو کی طرف ہے اور میں نے

اسے خوش آئند قرار دیا تھا کہ ساری اسلامی جماعتیں دائیں بازو کی ہی بنی پھرتی ہیں تو اچھا ہے کہ ایک گروہ LEFT OF THE CENTRE بھی ہے' جو کسی نہ کسی درجے میں عوام کی بات بھی کرتا ہے اور اسلام کی بھی۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طوفان آئے تو اس اسلام کو بھی بہا کر لے جائے' جسے سرمایہ داری کا چوکیدار بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ سب کے سب فتوے زمینداری' جاگیرداری اور سرمایہ داری کو تحفظ دے رہے تھے اور یہ اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے بڑے خطرے کی بات تھی۔ اس جماعت نے ثابت کیا ہے کہ اس کا کچھ اثر و رسوخ ہے۔ اگرچہ ہے تو ایک تنگ پٹی میں جو بلوچستان کے پختون علاقے سے چل کر سرحد کے ساتھ مل جاتا ہے لیکن ایک حیثیت رکھتا ہے۔ کچھ اثر سندھ میں بھی تھا لیکن ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے آپ کو منوانے کے قابل نہیں تھی۔ وہاں پر اس کی کوئی سیاسی حیثیت نہ نکلی۔ رہا پنجاب تو یہاں سرے سے اسے کوئی عمل دخل ہی نہیں۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے تو میرے نزدیک بدقسمتی سے وہ "الٹرا رائٹسٹ" بن گئی' گویا سرمایہ داری اور جاگیرداری کی سب سے بڑی محافظ یہی ہے۔ کچھ تھوڑی سی روشنی پچھلے دنوں ان دعووں میں نظر آئی تھی کہ ہم جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف جدّوجہد کریں گے' بیڑے غرق کر دیں گے' لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے' میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام جاگیرداروں کے حق میں قطعاً نہیں اور میں تو اس بات کا دھڑلے کے ساتھ قائل ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ' امام دار الھجرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں کے نزدیک مزارعت مطلقاً حرام ہے۔ زمین خود کاشت کرو اگر کر سکتے ہو ورنہ دے دو کسی اور کو۔ کوئی اور بھائی خون پسینہ ایک کرے اور تم مالک ہونے کی حیثیت سے اس کا (LION'S SHARE) وہاں سے لے جاؤ اور اپنے بنگلوں کے اندر بیٹھے رہو تو یہ کہاں کی شرافت ہے۔ یہ کسی درجے میں بھی مروت ہے؟ کوئی شریف انسان اسے گوارا نہیں کرے گا تو اسلام کیسے گوارا کر لے۔ یہ تو بعد کے دور کی بات ہے کہ اس کے جواز میں کچھ شرطیں لگا کر فتوے دیئے گئے' لیکن دوڑیئے نا پیچھے کی طرف! اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین کو اپنے اسلاف سے سیکھیں تو ظاہر بات ہے کہ متأخرین پر متقدمین کی رائے کو فوقیت دی جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ مجھے جماعت اسلامی سے دلچسپی ہے کیونکہ اس میں پڑھے لکھے نوجوانوں کی بہت بڑی تعداد آئی ہے لیکن میرے نزدیک جماعت کا دائیں بازو کی انتہا پر چلے جانا درحقیقت اسلام کے مستقبل کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ سیاست'

قانون' دستور اور اسلامی ریاست کے موضوعات پر مولانا مودودی کی خدمات بہت وقیع ہیں' لیکن اس ایک میدان میں بدقسمتی سے ان کی سوچ 'ان کا مطالعہ بہت پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے اسلام کے معاشی نظام کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ جمعیت علمائے پاکستان کا جو حشر ہوا' آپ کے سامنے ہے۔ بحیثیت جماعت کے تو اس نے اپنا تشخص بھی گنوا دیا۔ مولانا نورانی میاں سے میری بڑی اچھی توقعات وابستہ تھیں لیکن افسوس کہ وہ سب کی سب ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ تاہم اللہ کا شکر ہے کہ ان کی دو بڑی قیمتی شخصیتیں اسمبلی میں پہنچ گئی ہیں۔ مولانا عبدالستار نیازی کی پاکستان 'اسلام اور تحریک پاکستان کے ساتھ گہری کمٹ منٹ ہے۔ ان کا ایوان میں پہنچ جانا بہت خوش آئند ہے۔ اور جیسا کہ میں نے پچھلی بار عرض کیا تھا کہ باقی جن حضرات کو عوامی اتحاد کے ٹکٹ دیئے گئے ہیں 'ان میں ایک استثناء ہے۔ محمد حسین انصاری صاحب' جو حافظ قرآن بھی ہیں اور جنہوں نے اپنے چہرے کو بھی سنت رسولؐ سے مزین کیا ہے۔ انصاری صاحب بھی ایک اچھا اضافہ ہیں لیکن میرا اب بھی مشورہ یہی ہے کہ جے یو پی کا مقام مسلم لیگ کے اندر ہے باہر نہیں۔

تحریک پاکستان میں بریلوی مکتبہ فکر کے علماء کا جو مقام تھا انہیں اپنے اسی مقام کو اختیار کرنا چاہئے۔ علماء کا مدنی گروپ تحریک پاکستان کے ساتھ نہیں تھا' جماعت اسلامی بھی تحریک پاکستان کے ساتھ نہیں تھی' وہ اپنا علیحدہ تشخص برقرار رکھیں تو رکھیں لیکن ثابت ہو گیا کہ جے یو پی کا علیحدہ کوئی سیاسی تشخص ہے ہی نہیں۔ انہیں تو مسلم لیگ میں ضم ہونا چاہئے۔ میرا اب بھی یہی مشورہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو یہ کڑوی گولی نگلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جمعیت اہل حدیث کے مولانا لکھوی کی کوئی حیثیت کسی جمعیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ علاقے کے اندر اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بنا پر تھی۔ ان کے بڑے بھائی مولانا محی الدین لکھوی اس پورے علاقے کے روحانی پیشوا تھے اور پیر کا درجہ رکھتے تھے لیکن آج وہ اتحاد میں شامل ہو کر گم ہو گئے اور جہاں تک درخواستی گروپ کا تعلق ہے 'ان کی کوئی آزاد حیثیت نہیں اور الیکشن کے نتائج سے یہ ثابت ہو گیا ہے۔ مولانا سمیع الحق صاحب کو بھی میں آپ کی وساطت سے یہ مشورہ دوں گا کہ اپنی اصل جماعت کے ساتھ شامل ہو جائیے۔ یہ انمل بے جوڑ قسم کے گٹھ جوڑ جو صرف وقتی مصلحتوں کے تحت اتحاد بنے' درحقیقت کسی صحت مند انداز کی علامت نہیں۔ انہیں اپنے اصل گروپ کے ساتھ ملنا چاہئے اور وہ مل جل کر عوامی سطح پر دین کا کام کر سکتے ہیں۔ ان دھڑے بندیوں میں تقسیم ہو کر انہوں نے اپنے اثر و رسوخ کو بہت ہی کم کر لیا ہے۔

مسلم لیگ اور پیر پگاڑا

چند مشورے اور دے رہا ہوں، جو اگر قبول کئے جائیں تو ملک و قوم کے حق میں نیک فال ہو گی۔ میرے نزدیک مسلم لیگ نے اتحاد کر کے بہت نقصان اٹھایا ہے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے تشخص کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا ہے۔ فائدہ کچھ نہیں ہوا لیکن تشخص ختم ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب اس کی بھی تلافی کرنے کے لئے ایک سنہری موقع آیا ہے۔ مسلم لیگ کے احیاء کے لئے اس سے زیادہ مناسب موقع اور کوئی نہ ہو گا۔ اتحاد کو ایک طرف رکھ کر مسلم لیگ سامنے آئے اور یہ جماعت ایک عوامی قوت کے طور پر ابھرنے کا چیلنج قبول کرے۔ میں نے جو کہا وہ کچھ لوگوں کو برا لگا تھا کہ پیپلز پارٹی نے ایک بہت بڑا ٹیسٹ پاس کیا ہے۔ گیارہ برس تک ایک جماعت گورنمنٹ سے باہر رہی ہو اور وقت کے مقتدر اعلیٰ کا سب سے بڑا ٹارگٹ رہی ہو اور پھر بھی وہ برقرار رہ جائے تو اس کا برقرار رہ جانا ہی ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور ایسے چیلنج ہی تو ہوتے ہیں جو جماعتوں اور تحریکوں کے سامنے آجائیں تو ان کے ابھرنے کے مواقع ہاتھ آتے ہیں۔

تندیء بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میری بنیاد مسلم لیگی ہے۔ میں مولانا مدنیؒ کا انتہائی عقیدتمند ہوں شخصی اعتبار سے لیکن ان کی پالیسی کو آج بھی صحیح نہیں سمجھتا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو بیسویں صدی کا پہلا داعی الی القرآن سمجھتا ہوں اور میں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران انہی کی چلائی ہوئی تحریک کو لے کر چل رہا ہوں۔ لیکن ابوالکلام کی سیاسی پالیسی میرے نزدیک سیاسی اعتبار سے غلط تھی۔ میری رائے مسلم لیگ کے ساتھ تھی اور میں آج بھی پاکستانی ہوں۔ مجھے تو اب بہت کم لوگ ایسے ملتے ہیں جو مجھ سے زیادہ پاکستانی ہوں۔ جو لوگ پاکستان کے ٹھیکیدار اور مسلم لیگ کے چوکیدار بنے پھرتے ہیں، مجھے ان میں بھی وہ جذبات رکھنے والے نظر نہیں آتے جو میں پاکستان اور مسلم لیگ کے لئے رکھتا ہوں۔

میں نے طالب علمی کا دور تحریک پاکستان پر لگایا تھا اور میں پاکستان پر ایمان رکھتا ہوں۔ وقتی طور پر بعض اوقات مایوسی طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ میں نے "استحکام پاکستان" کے دیباچہ میں لکھا، لیکن میرے خوابوں کی تعبیر پاکستان سے وابستہ ہے۔ اگرچہ میں مسلم لیگ میں نہیں

ہوں اور ایک انقلابی جدّوجہد کے لئے اینٹ روڑا یا یوں کہئے کہ گھو نسلا بنانے کے لئے تنکے تلاش کرتا پھرتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ مسلم لیگ ایک سیاسی قوت کے طور پر برقرار رہے مستحکم ہو اور یہ کہ مسلم لیگ کی تحریک کے احیاء کے لئے یہ بہت ہی سنہری موقع ہے۔ آزمائش کا دور کسی بھی عوامی تحریک کے لئے لازم ہوتا ہے۔ قائداعظم اور قائد ملت جیسے بزرگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہتا لیکن اصولاً یہ بات غلط ہے کہ پارٹی اور حکومت کے عہدے ایک جگہ ہوں۔ یہ گویا اپنے ہاتھوں اس پارٹی کو ختم کر دینے اور گلا گھونٹنے کے مترادف ہے۔

اب ایک فیصلہ اللہ نے کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کے صدر بھی آؤٹ اور جنرل سیکریٹری صاحب بھی آؤٹ۔ اب کوئی متبادل ان کے سامنے ہے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ فراغت کے ساتھ باہر آئیں اور مسلم لیگ کو منظم کرنے کا بیڑہ اٹھائیں اور اس کے لئے کمرِ ہمت کس لیں۔ اس کے لئے انہیں ذرا محنت تو کرنی پڑے گی لیکن نوٹ کر لیجئے میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ آپ سندھ کے ووٹ کو اینٹی پاکستان یا اینٹی مسلم لیگ ہرگز نہ سمجھ لیں۔ اصل میں اس وقت سندھ میں پیپلز پارٹی ہی مسلم لیگ ہے۔ پاکستان کے نام پر پہچانی جانے والی جماعت ایک ہی رہ گئی ہے لہٰذا چاہے پارٹی لیول پر اس کا کچھ بھی مطلب لیا جائے لیکن یہ واقعہ ہے عوام کا ووٹ پاکستان کے حق میں آیا ہے۔ مخالف پاکستان عناصر کو انہوں نے مسترد کر دیا ہے۔ یہ سنہری موقع ہے اور جیسا کہ اقبال نے کہا کہ ؎

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلم لیگ کو منظم کیا جانا چاہئے۔ پیر پگاڑا صاحب کے لئے بھی موقع ہے کہ آئیں اور کوشش کریں۔ وہ میدان میں نکلے تو ہیں اور اگرچہ پہلا تجربہ انہیں بڑا تلخ ہوا۔ بعض اخبارات میں آپ نے بھی پڑھا ہو گا کہ ان کے مرید بھی یہ کہتے ہیں کہ "سر سائیں جا، ووٹ بھٹو جا" لیکن بہرحال یہ بھی لوگوں کے اندر سیاسی شعور کی علامت ہے۔ اس کو بھی آپ نیک شگون سمجھئے۔ اللہ نے انہیں فارغ کر دیا ہے وہ بادشاہ گری کا فن چھوڑ دیں اور عملی سیاست کے میدان میں آئیں۔ ان کی ذات اور شخصیت ایک علیحدہ شے ہے لیکن ان کا خاندان پاکستان کے عظیم ترین خاندانوں میں سے ہے۔ ان کے والد اتنے بڑے روحانی رہنما اور مجاہدِ حریت تھے کہ انگریزوں نے ان کی لاش تک نہیں دی۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ پھانسی دی یا

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

(آخری قسط)

حقیقتِ جہاد

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

ترتیب و تسوید: حافظ خالد محمود خضر

عملی تصادم

نظریاتی و فکری تصادم کے بعد عملی تصادم کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر عمل کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ قوتیں باہم متصادم ہوتی ہیں' اس لئے کہ دین کی صرف تبلیغ ہی نہیں کرنی ہے بلکہ اسے عملاً قائم کرنا ہے۔ اسلام کا معاملہ دنیا کے کسی بھی مذہب یا کسی بھی دیگر نظام سے قطعی طور پر مختلف ہے۔ مثال کے طور پر عیسائیت اور مارکسزم کو لیجئے! عیسائیت نام ہے ایک عقیدے (DOGMA) اور کچھ اخلاقی تعلیم کا۔ عیسائیت کے پاس کوئی قانونی نظام نہیں' نظام حیات کا کوئی ڈھانچہ نہیں' کوئی شریعت ہی نہیں چنانچہ حلال و حرام کی کوئی قیود نہیں' مراسم عبودیت (RITUALS) تک نہیں' نماز روزہ کچھ بھی نہیں۔

انجیل میں شریعت ہے ہی نہیں بلکہ حضرت مسیح (علیہ السلام) نے شریعت موسوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو برقرار رکھا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں۔ حضرت مسیحؑ کے بعد سینٹ پال نے شریعت کو ساقط کر دیا۔ اب عیسائیت کی تبلیغ صرف ایک عقیدے کی تبلیغ ہے۔ یعنی بس مسیحؑ کو مان لو' کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ موت تک جو بھی گناہ کرو گے ان کا کفارہ وہ پہلے ہی دے چکے ہیں۔ عیسائیت نے جب تمام شرعی حدود و قیود ختم کر کے یہ شکل اختیار کی تو یہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلی۔ اسی طرح کا کام آغاخانیوں نے ہندوستان میں کیا۔ ان کی تبلیغ یہ تھی کہ نو (۹) اوتاروں کو ماننے کے ساتھ ساتھ دسواں اوتار حضرت علیؓ کو مان لو۔ کسی شریعت وغیرہ پر عمل کی ضرورت ہی نہیں۔ البتہ جو پرانے اسماعیلی ہنزہ وغیرہ میں آباد ہیں' ان کے ہاں شریعت موجود ہے' اگرچہ امام ان کے بھی آغاخان ہیں۔ مارکسزم کی تبلیغ عیسائیت کی تبلیغ کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ایک نظریاتی اور انقلابی تبلیغ ہے' جس کا مقصد ایک نظام کو قائم کرنا ہے۔

صرف عقیدے کی تبلیغ اور کسی نظام کو بدلنے کی تبلیغ میں فرق یہ ہے کہ مقدم الذکر تبلیغ ایسی بیل کے مانند ہے جو زمین پر نیچے نیچے پھیلتی چلی جاتی ہے' اور متوخر الذکر تبلیغ کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو اوپر اٹھتا ہے۔ اسلام کی تبلیغ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس میں ایمان کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کو قائم کرنا بھی ہے۔ یہ قائم کرنے کا جو مرحلہ ہے اس کو میں "اقامتِ دین" سے تعبیر کر رہا ہوں۔ ہمیں دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے : اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ..... اور جب دین کو قائم کرنے کے لئے کوشش ہو گی تو اس میں عملی تصادم کا مرحلہ آ کر رہے گا۔ اس لئے کہ جو نظام پہلے سے موجود ہے اس کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں۔ جب آپ اس کو اکھاڑنا چاہیں گے تو ان کی چودھراہٹوں پر ضرب پڑے گی اور وہ اسے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے مفادات کے دفاع کے لئے آپ سے مقابلہ کریں گے' آپ سے انتقام لیں گے۔ "اقامتِ دین" کے اس مرحلے پر عزیمتیں ٹکرائیں گی۔ اب صرف نظریات کا تصادم نہیں' بلکہ قوتوں کا تصادم ہو گا۔

کوئی بھی انقلابی جماعت جب کسی انقلابی نظریئے کو لے کر اٹھتی ہے تو پہلا دور یہ ہوتا ہے کہ جب ماحول انتقامی کارروائی کرے تو اسے جھیلیں اور برداشت کریں۔ شدید ترین تشدد کے باوجود صبر و استقامت سے کام لیں اور مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھائیں۔ مسلمانوں کو ابتدا میں یہی حکم تھا۔ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ ...... "اپنے ہاتھ بندھے رکھو!" یہ صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) کا مرحلہ ہوتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ طاقت عطا فرما دے تو ہاتھ کھول دیئے جاتے ہیں اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر یہ حکم نازل ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۨ ○ اب صبر محض کا دور ختم ہوا اور اقدام (ACTIVE RESISTANCE) کا مرحلہ شروع ہوا۔ اس مرحلے پر جہاد مجاہدہ مع النفس اور دعوت و تبلیغ کے مراحل سے گزر کر اور نظریاتی تصادم کی سطح سے ابھر کر اب بالفعل قوتوں کے ٹکراؤ کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اب یہاں غور کیجئے کہ اس مرحلے پر سب سے بڑا ہتھیار کیا ہے؟ اللہ نے اگر ہمیں اس کشمکش میں ڈالا ہے تو نہتا نہیں ڈالا ہے' بلکہ ہر مرحلے کے لئے ہتھیار دیئے ہیں۔ اس مرحلے پر اصل ہتھیار ہو گا ایک منظم جماعت!

ویسے تو ہر سطح پر ہی ہم مقصد لوگوں کی موجودگی مفید ثابت ہوتی ہے۔ پہلی سطح پر بھی ہم

خیال لوگوں کا ایک حلقہ ہو تو مجاہدہ مع النفس آسان ہو جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے پر دعوت و تبلیغ کے کام کے لئے بھی اگر کچھ لوگ جمع ہو کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائیں تو زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے ہیں' لیکن اس سطح پر اصل ہتھیار قرآن ہے۔ اسی سے نظریاتی فتح حاصل ہو گی' اسی سے دلوں میں ایمان پیدا ہو گا اور اسی سے کفر والحاد اور مادہ پرستی اور شرک کی جڑیں کٹیں گی۔ البتہ اس تیسرے مرحلے پر جماعتی قوت ناگزیر ہے اور یہی اس مرحلے کا اصل ہتھیار ہے۔ اور جان لیجئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے کہ آپؐ نے فدائین کی ایسی منظم جماعت قائم کی' جس کی نظیر بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ جس زمانے میں اس مقدس جماعت پر شدید ترین تشدد ہو رہا تھا اور انہیں مقابلے میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی' اُس دور کا ایک واقعہ پڑھنے میں آتا ہے کہ ایک بار ابو جہل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تھپڑ مارا تو انہوں نے بھی جواباً تھپڑ رسید کر دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی قرشی تھے اور اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکے۔ لیکن اس پر حضورؐ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ڈسپلن کی خلاف ورزی پر انہیں کچھ عرصہ کے لئے مکہ سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ یہ عالم تھا آنحضورؐ کی قائم کردہ جماعت میں نظم و ضبط کا! انقلاب برپا کرنے کے لئے واقعۃً ایک منظم اور مربوط جماعت کی ضرورت ہوتی ہے' جو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اس کے مقصد سے گہری وابستگی اور وفاداری کے حامل ہوں۔ جن کی کیفیت یہ ہو کہ ع "ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم" اور صرف مشغلے کے طور پر کسی جماعت میں شامل ہونے والے' جن کی کیفیت "سر تسلیم خم ہے......" والی نہ ہو' کبھی کوئی انقلاب نہیں لا سکتے۔ محض ہجوم (MOB) سے انقلاب نہیں آیا کرتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے التزام جماعت کا حکم دیا ہے۔ "علیکم با لجماعة لا اسلام الا با لجماعة" ......اور جماعت بھی "سمع و طاعت" والی......درکار ہے' ڈھیلے ڈھالے نظم والی جماعت نہیں! اس جماعتی نظم کی بنیاد کے بارے میں ہدایت بھی ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ملتی ہے......یعنی اس کی بنیاد "بیعت" پر ہونی چاہئے۔ آپؐ تو اللہ کے نبیؐ اور رسولؐ تھے اور آپؐ کو لوگوں سے بیعت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ جو بھی ایمان لے آیا کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں' اس کی تو ہمہ وقت بیعت ہو گئی۔ اب اس کے پاس کوئی اختیار کہاں رہ گیا کہ وہ آپؐ سے یہ استفسار کرے کہ آپؐ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اور اگر آپؐ کی کسی بات کو ماننے سے انکار کر دے تو ختم ہوا اس کا ایمان۔ یہی

بات حضرت سعدؓ بن عبادہ نے غزوۂ بدر سے قبل ہونے والی مشاورت میں کہی تھی کہ۔ انا امنّا بک وصدّ قنا ک ...... "حضور! ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے' ہم نے آپؐ کو اللہ کا رسول مانا ہے' ہمارا یہ ایمان ہے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے جو کچھ بھی نکلے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے۔ اب آپؐ ہم سے کیا پوچھتے ہیں' جو ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے۔ اگر آپؐ حکم دیں گے تو ہم اپنی اونٹنیوں کو برک الغماد تک دوڑاتے ہوئے دبلا کر دیں گے۔ اگر آپؐ حکم دیں گے تو ہم سمندر میں اپنی سواریاں ڈال دیں گے"۔ اس کے باوجود حضورؐ مختلف مراحل پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے رہنمائی درکار تھی' ان کے لئے مثال چھوڑنا تھی۔

اب حضورؐ کے بعد کوئی نبی تو نہیں آئے گا۔ جو بھی اس کام کو لے کر اٹھے گا ایک امتی ہو گا' عام انسان ہو گا' لیکن جماعت کی بنیاد حضورؐ کی سنت کے مطابق بیعت پر ہو گی۔ سمع و طاعت فی المعروف کی بیعت کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے دائرے کے اندر اندر سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ معصیت میں اطاعت نہیں ہو گی۔ بے چون و چرا اور غیر مشروط اطاعت صرف رسولؐ کی ہو سکتی ہے۔ آپؐ کے بعد ہر امیر کی اطاعت مشروط ہو گی کہ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی حکم کے خلاف کوئی حکم ہو تو نہیں مانیں گے۔ لیکن اس دائرے کے اندر اندر سر تسلیم خم ہے۔ سمجھ میں آئے تب بھی مانیں گے' سمجھ میں نہیں آئے تب بھی مانیں گے۔ ہمیں اچھا لگے تب بھی مانیں گے' اچھا نہیں لگے تب بھی مانیں گے۔ اسی طرح جیسے ہمیں صحابہ کرامؓ کا عمل ملتا ہے۔ بایعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم علی السمع والطاعة والهجرة والجهاد فی سبیل الله فی العسر والیسر والمنشط والمکره۔

ایک اور حدیث میں الفاظ آتے ہیں۔ و علی اثرة علینا ...... یعنی چاہے ہم یہ محسوس کریں کہ ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہے۔ یہ امارت جو کسی اور کو دے دی گئی ہے اس کا میں زیادہ حقدار تھا۔ اُس کے باوجود سنیں گے اور مانیں گے۔ یا اس رجزیہ شعر کے حوالے سے سمجھ لیجئے جو اس وقت صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر تھا جب غزوۂ خندق کے موقع پر کدالیں چل رہی تھیں اور خندق کھودی جا رہی تھی۔ نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد مابقینا ابدا (ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی ہے محمدؐ سے جہاد کی! جب تک ہم باقی ہیں' جان میں جان ہے' جہاد جاری رہے گا)۔

قتال فی سبیل اللہ

جہاد کا آخری اور تکمیلی مرحلہ جو در حقیقت اس عمارت کی بلند ترین منزل ہے' قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یہ ایک طرح سے تیسرے مرحلے کا تتمہ ہے۔ یہاں میں اس اصطلاح کو واضح کر دینا چاہتا ہوں تاکہ جہاد اور قتال میں خلط مبحث (CONFUSION) باقی نہ رہے۔ جہاد اس مرحلے پر آکر قتال کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس لئے کہ انقلاب برپا کر دینا اور نظام باطل کو جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین کو بالفعل قائم کر دینا قتال کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یہ ہے وہ بات جس پر سخت ٹھوکر کھائی ہے غلام احمد قادیانی آنجہانی نے۔ وہ یہ سمجھا کہ آج کی دنیا بڑی معقول ہو گئی ہے پہلے اجڈ اور گنوار لوگ تھے' وہ بات مانتے نہیں تھے اُن میں سمجھ نہیں تھی' اس لئے طاقت کے ساتھ منوانا پڑتا تھا۔ آج تو بڑا متمدن اور مہذب دور ہے۔ آج عقل سے بات منوائی جا سکتی ہے' دلیل سے لوگوں کو قائل کیا جا سکتا ہے' لہٰذا آج کے دور میں قتال کا کوئی سوال نہیں ہے ع

دیں کے لئے حرام ہے اب دوستو قتال!

یہ اس کی بہت بڑی ٹھوکر اور بہت بڑی گمراہی تھی۔ یہ جان لیجئے کہ قتال یا مزاحمت (RESISTANCE) جو بھی کسی معاشرے کی طرف سے ہوتی ہے وہ لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ مفادات کے تحفظ کی خاطر ہوتی ہے۔ وہ مفادات آج بھی جوں کے توں ہیں۔ وہ "لات ومنات" جو ہیں وہ آج بھی اسی طرح جواں ہیں۔ آپ تبلیغ کرتے چلے جایئے۔ عیسائی مشنریز کے طریقے پر کوئی

ہسپتال' کوئی سکول کھول دیجئے اور کچھ لوگوں کے نام چپکے سے بدلوا دیجئے' وہ اور بات ہے۔ اس سے کبھی کوئی نظام تبدیل نہیں ہو گا۔ نظام کی تبدیلی کے لئے ہر سطح پر جہاد کرنا ہو گا' جس کی آخری منزل قتال ہے۔ اس لئے تاکہ اللہ کا حکم نافذ ہو' اس کی بڑائی فی الواقع تسلیم کی جائے' اس کی بات سب سے بلند ہو! "لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" اور اقبال کے الفاظ میں ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدا مست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

اسلام میں نیچے نیچے پھیلنے والی تبلیغ کا تصور نہیں ہے' بلکہ چار دانگ عالم میں اللہ کی کبریائی کا نفاذ

مقصود ہے۔
یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ...... اے نبیؐ آپ کے مشن کا نقطۂ آغاز تو ہے انداز! آخرت سے ڈرانا' خبردار کرنا اور اس کی منزل کیا ہے؟ ہدف کیا ہے؟ وہ تکبیرِ رب ہے! اللہ بڑا ہو' اللہ کی بڑائی مانی جائے' اللہ کی کبریائی کا نفاذ ہو اور یہ قتال کے بغیر کبھی نہیں ہو گا۔

دیکھئے میں یہ بات ایک قاعدہ کلّیہ کے طور پر بیان کر رہا ہوں کہ اگر کوئی انقلاب بغیر قتال کے آسکتا تو محمد رسول اللہ کا انقلاب ہوتا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم...... خونریزی کس کو اچھی لگتی ہے' فطرت انسانی اس سے اباء کرتی ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ انقلاب اس کے بغیر نہیں آسکتا۔ اگر آسکتا تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلاب ہوتا۔ لیکن حضورؐ کو تو یہ حکم دیا گیا۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔ "اور قتال جاری رکھو ان سے یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہو جائے اور دین کل کا کل صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ اگر دین کی یہ تفریق رکھنی ہے تو بات اور ہے کہ نماز اللہ کے لئے پڑھیں گے' کاروبار رواج کے مطابق کریں گے اور باقی جو دنیا کا دھندا چل رہا ہے وہ اپنے طور پر چلتا رہے گا' ہم اس کے ساتھ مفاہمت کئے رہیں گے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر دین کل کا کل اللہ کے لئے کرنا ہے تو اس کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا ناگزیر ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ کلام کے طور پر عرض ہے کہ جہاد اور قتال مترادف الفاظ نہیں ہیں بلکہ ان میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ قتال درحقیقت جہاد کا آخری اور تکمیلی مرحلہ ہے۔ جہاد فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ہے اور ہر حالت میں فرض ہے۔ قتال اگرچہ ہر وقت فرض نہیں ہوتا لیکن اس کا حکم کسی مخصوص زمانے کے لئے نہیں تھا' بلکہ غلبۂ دین کے لئے قتال ہر دور میں ناگزیر ہے اور سخت ٹھوکر کھائی ہے جس نے اسے موجودہ دور میں ساقط قرار دیا ہے...... جہاد ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے لیکن یہ ایمانِ حقیقی کا رکنِ رکین ہے اور اللہ کے ہاں مومن صادق قرار پانا ہے تو اس سے کوئی مفر نہیں۔ ازروئے ارشاد ربّانی اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

جہاد کے چار مراحل ہیں (۱) مجاہدہ مع النفس' یعنی بندگیٔ رب کے لئے نفس کے ساتھ کشمکش۔ اس مرحلے کے لئے اللہ نے ہمیں عبادات کی صورت میں ہتھیار عطا فرمائے ہیں۔ (۲) نفس کے ساتھ کشمکش کے بعد خارج میں نظریاتی و فکری تصادم ہو گا' یعنی دعوت و تبلیغ

کے ذریعے سے بگڑے ہوئے ماحول اور معاشرے کی اصلاح کی کوشش اور فریضۂ شہادت علی الناس کے ذریعے لوگوں پر اتمامِ حجت قائم کر دینا۔ اس مرحلے کا سب سے بڑا ہتھیار قرآن ہے۔ (۳) اس سے اگلا مرحلہ عملی تصادم کا ہے یعنی دین کو بالفعل قائم کرنے اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کے لئے قوت کا استعمال۔ عملی تصادم کا مرحلہ بالترتیب صبرِ محض، اقدام اور مسلح تصادم کے مراحل طے کرتا ہے۔ اس مرحلے پر اصل ہتھیار ایک منظم (DISCIPLINED) جماعت ہے جو ایسے افراد پر مشتمل ہو جو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے اپنی جان، مال اور سب کچھ قربان کر دینے کا عزم و حوصلہ لے کر آئے ہوں۔ (۴) جہاد کی بلند و بالا عمارت کی بلند ترین منزل قتال فی سبیل اللہ ہے جس کے بغیر انقلاب اسلامی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا!

بقیہ: خطاب جمعہ

کیا گیا اور ورثاء کو لاش تک نہ دی گئی۔ کہیں ان کی قبر نہ بن جائے جو سندھ کے حریت پسندوں کے لئے ایک بہت بڑا مرکز بن جاتی۔ انہوں نے ان دونوں بھائیوں کو یورپ کی فضاؤں میں پروان چڑھایا کہ وہاں کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر اپنا ماضی فراموش کر دیں۔ اگر واقعتاً انہیں شعور ہو جائے کہ وہ کس گدی پر بیٹھے ہیں تو کیا ہی بات ہے۔ اس گدی سے سید احمد شہید بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے قافلے کو پذیرائی ملی تھی جو کبھی حکمرانوں کو بھی نہ ملی۔ تحریک شہیدین کے ساتھ طے ہوا تھا کہ رائے بریلی سے چل کر تاریخ کے طویل ترین "لانگ مارچ" کے بعد یہ مجاہدین شمال سے سکھوں پر ضرب لگائیں گے اور ادھر سے پیر جو گوٹھ کا لشکر جنوب سے حملہ آور ہو گا۔ وہ یہ بھی فراموش نہ کریں کہ سندھ ہی واحد صوبہ تھا جس کی صوبائی اسمبلی نے پاکستان کے حق میں قرار داد منظور کی۔ کچھ عجب نہیں کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائے اور مسلم لیگ ایک واقعی حقیقی اور عوامی جماعت کی حیثیت سے سندھ ہی سے دوبارہ ابھرے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

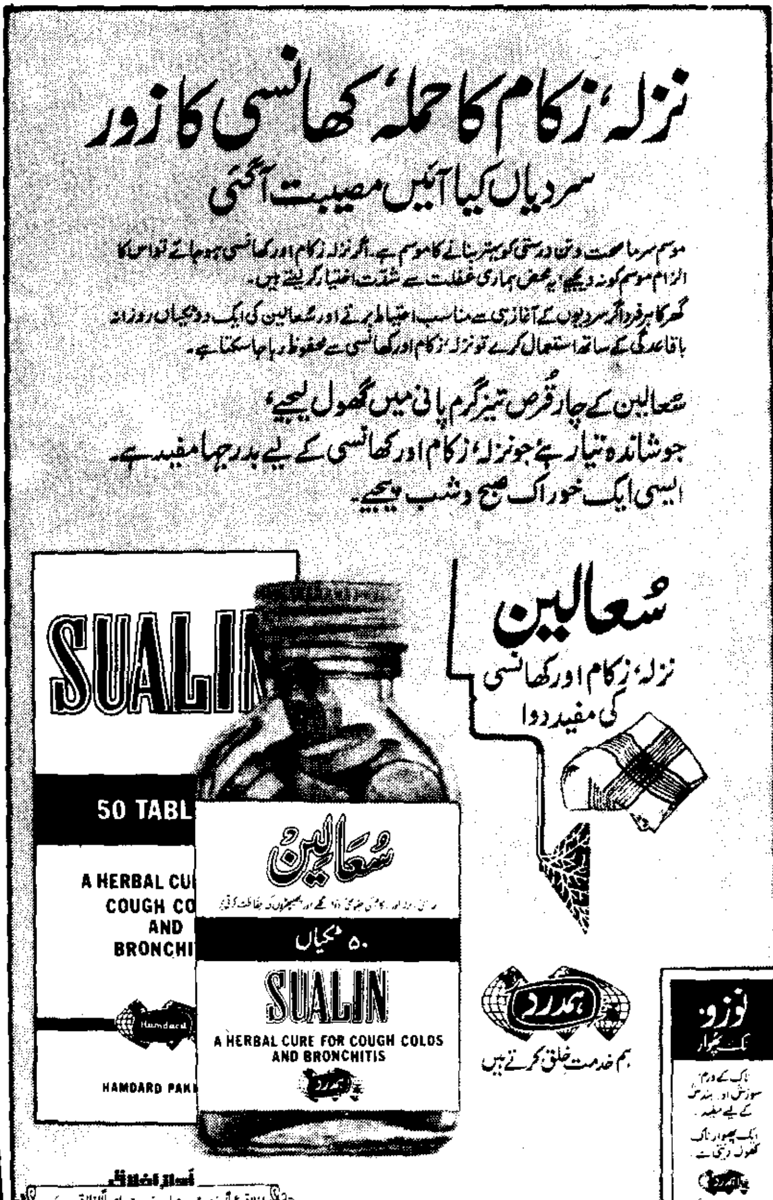

Adarts SUA-4/84

حسنِ انتخاب

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

روئے بے دیں
قرآن اکیڈمی مراچی
16|16|36
16|

مباہلے کا جواب

قادیانیوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کی توجہ حاصل کرنے اور انہیں انتشارِ ذہنی میں مبتلا کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً مباہلے کا چیلنج کرتے رہے ہیں لیکن ہر بار چیلنج کرنے کے بعد وہ میدان سے اس طرح غائب ہو جاتے ہیں کہ گرد تک کا نشان نہیں ملتا۔ چونکہ ان کا اہم مقصد عام مسلمانوں کی توجہ کا حصول ہوتا ہے لہٰذا ادارہ کا میثاق نے دانستہ ان کے حالیہ چیلنج کو لائقِ اعتناء نہ سمجھا تھا لیکن نومبر کے "اقراء ڈائجسٹ" میں اس موضوع پر مولانا یوسف لدھیانوی کی ایک تحریر نظر سے گذری - تحریر میں مباہلے سے متعلق قادیانیوں کے پھیلائے ہوئے مغالطوں کو چونکہ بہت خوبصورتی سے رفع کیا گیا ہے لہٰذا اسے اقراء ڈائجسٹ کے شکریے کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

جناب مرزا طاہر احمد صاحب   سلامٌ علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

گزشتہ دنوں آپ کی طرف سے مباہلہ کا چیلنج شائع ہوا، میں اسے شاید لائقِ التفات نہ سمجھتا مگر طویل سفر سے واپسی پر ڈاک میں اس کی ایک کاپی موجود پائی جس میں بطورِ خاص مجھے مخاطب کیا گیا تھا۔ جس کا جواب بطورِ خاص مجھ پر لازم ہوا۔ اس لیے جواباً چند نکات عرض کرتا ہوں:

۱۔ سب سے پہلے اس پر آپ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ناکارہ کا نام دورِ حاضر کے مسیلمہ کذاب مرزا غلام احمد قادیانی کے مخالفوں کی فہرست میں درج فرمایا۔ یہ دراصل بہت بڑا اعزاز ہے جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (المائدہ: ۵۴)	اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہونگے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں مرتدین سے مقابلہ کرنے والے حضرات کے چھ اوصافِ عالیہ بیان فرمائے ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے محبوب بندے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سچے مُحب اور عاشق ہیں سوم یہ کہ وہ اہلِ ایمان کے حق میں نہایت پست اور متواضع ہیں۔ چہارم یہ کہ وہ اہلِ کفر کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔ پنجم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالاتے ہیں۔ ششم یہ کہ وہ دین کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی پروا نہیں کرتے۔ آخر میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے جس کو چاہتے ہیں یہ فضل عطا فرما دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے اولین مصداق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے مسیلمہ کذّاب اور دیگر مرتدین کا مقابلہ کیا اور اس دور میں اس آیتِ کریمہ کا مصداق وہ حضرات ہیں جو مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی مرتد اور اس کی ذریت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ پس آپ کا اس ناکارہ کو مرزا غلام احمد قادیانی کے مخالفین میں شمار کرنا گویا اس امر کی شہادت ہے کہ یہ ناکارہ اس دور میں آیت کریمہ کا مصداق ہے ظاہر ہے کہ یہ اس ناکارہ کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ کے فضلِ عظیم کی شہادت و بشارت ہے، جس پر آپ کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔

یہ ناکارہ آنحضرت خاتم النبیین وسیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ ترین اور نالائق ترین اُمّتی ہے اور اپنی روسیاہی و نالائقی میں پوری امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) میں شاید سب سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہٗ کے بقول :

کس نیست دریں امتِ تو آنکہ چوں احقرؔ
با روئے سیاہ آمدہ و موئے زریری

ایسے نالائق و ناکارہ اُمّتی کے لیے اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہو سکتا ہے کہ اسے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ کا مصداق بنا دیا جائے، آپ کی تحریر سے اس ناکارہ کو توقع ہو گئی ہے کہ انشاء اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس ناکارہ و نالائق "با روئے سیاہ آمدہ و موئے زریری" اُمّتی کی شفاعت فرمائیں گے۔ ؎

جب کبھی شوریدگانِ عشق کا ہوتا ہے ذکر
اے زہے قسمت کہ ان کو یاد آ جاتا ہوں میں

بہر حال آپ نے مرزا قادیانی کے مخالفوں میں اس فقیر کا نام شامل کر کے مجھے بڑا اعزاز بخشا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی یہ تحریر مجھے فردائے قیامت میں سندِ شفاعت کا کام دے گی اس لیے آپ کے مُنہ میں گھی شکر۔

۲۔۔۔۔۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے رسالہ انجامِ آتھم میں اپنے اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ آئندہ وہ علماء کو مخاطب نہیں کرے گا۔ مرزا کے الفاظ یہ ہیں :

الیوم قضینا ما کان علینا من التبلیغات ...... وانّ معنا ان لا نخاطب العلماء بعد ھٰذہ التوضیحات ...... و ھٰذہ منّا	ہمارے ذمہ جو تبلیغ فرض تھی آج ہم نے اس کا حق ادا کر دیا، اور اب ہمارا قصد یہ ہے کہ ان توضیحات کے بعد ہم علماء کو مخاطب نہیں کریں گے اور یہ ہماری طرف سے مخاطبات

خاتمۃ المخاطبات (ص ۲۸۲) کا خاتمہ ہے۔

جب مرزا قادیانی ۱۸۹۷ء میں وعدہ کر چکا تھا کہ آئندہ ہم علماء کو خطاب نہیں کریں گے تو کیا نوّے سال کے بعد یہ وعدہ — جو آپ کے عقیدے میں "وما ینطق عن الہویٰ ان ہو الا وحی یوحیٰ" کا مصداق تھا — منسوخ ہوگیا یا آپ کے نزدیک مرزا کے وعدے وعید اور قول و فعل ایسے نہیں جن کیطرف التفات کرنا مرزا کی ذریت کے لیے ضروری ہو؟

۳ — آپ نے علمائے امت کو مباہلہ کا چیلنج دیا ہے۔ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان حق و باطل اور صدق و کذب کے جانچنے کا آخری معیار ہے۔ کیا آپ کے نزدیک ایک صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی کا صدق و کذب اب تک مشتبہ ہے کہ آپ اس کے لیے مباہلہ کرنے چلے ہیں؟ آپ کو یا آپ کی جماعت کو اب تک اس معاملہ میں اشتباہ ہو تو ہو لیکن الحمد للہ اُمتِ اسلامیہ کو اور امت کے اس نالائق ترین فرد کو مرزا قادیانی کے جھوٹا ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ نہیں، امتِ اسلامیہ کا قطعی و اجماعی عقیدہ و ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا بلا شک و شبہ جھوٹا، مرتد اور زندیق ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "ثلاثون کذابون کلھم یزعم انہ رسول اللّٰہ" کی صف میں شامل ہے — حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے مرزا غلام احمد قادیانی مسیلمہ پنجاب کے جھوٹا ہونے پر ایسے بے شمار قطعی دلائل و شواہد جمع کر دیئے ہیں جن سے مرزا کا کذب آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہو چکا ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں مرزا کا کذّاب ہونا کسی ایسے شخص پر مخفی نہیں رہ سکتا جس کے دل میں نورِ ایمان کی معمولی روشنی باقی ہو اور جس کی دل کی آنکھیں یکسر بند نہ ہو گئی ہوں۔ ہاں! جو شخص ارشادِ خداوندی:

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ اور جو شخص دنیا میں اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

کا مصداق ہو اس کے لیے سیاہ و سفید اور صدق و کذب کے درمیان امتیاز ممکن نہیں۔ مرزا کے جھوٹ کے لیے یہی کافی ہے کہ اس نے اپنی نام نہاد وحی کے ذریعہ اعلان کیا تھا کہ محترمہ محمدی بیگم کا آسمان پر اس سے نکاح ہو چکا ہے اور وہ ۱۸۸۸ء سے لے کر ۱۹۰۷ء تک اس نکاح کی منادی کرتا رہا۔ اور اسی نکاح کو پکا ثابت کرنے کیلئے اس نے ضمیمہ انجام آتھم میں یہاں تک لکھ دیا:

"یاد رکھو کہ اگر اس پیشگوئی کی دوسری جز پوری نہ ہوئی (یعنی محمدی بیگم بیوہ ہو کر مرزا کے نکاح میں نہ آئی) تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افترا نہیں۔ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار نہیں۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتیں، وہی ربّ ذوالجلال جس کے ارادوں کو کوئی روک نہیں سکتا۔" (ص ۵۴)

ہمارا بھی ایمان ہے کہ خدا کی باتیں نہیں ٹلتیں۔ اس کے سب وعدے سچے ہوتے ہیں۔ ان میں کبھی تخلف نہیں ہو سکتا اور اس کے ارادوں کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پیشگوئی کی دوسری جز پوری نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محمدی بیگم کا سایہ دیکھنا بھی مرزا کو نصیب نہ ہوا جس سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ یہ خبیث مفتری مرزا غلام احمد قادیانی کا افترا تھا اور وہ اپنے اقرار کے بموجب ہر بد سے بدتر ہے۔ یہودی، نصرانی، ہندو سکھ اور چوہڑے چمار بھی غیر مسلم ہیں، بُرے ہیں، مگر مرزا باقرارِ خود ان سے بھی بدتر ہے۔ کیا اس خدائی فیصلے اور مرزا کی اپنی تحریر کے بعد بھی مرزا کے جھوٹا، مفتری اور ہر بد سے بدتر ہونے میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟ یہ میں نے صرف ایک مثال ذکر کی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے مرزا کو جھوٹا اور روسیاہ کرنے کے لیے سیکڑوں نہیں ہزاروں دلائل جمع کر دیئے۔

۴ ـــــ دیگر دلائل کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے لوگوں سے مباہلے بھی کئے۔ جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے مرزا کا مسیح کذاب ہونا کھلے طور پر واضح فرما دیا، مثلاً:

الف: مرزا قادیانی نے ایک عیسائی پادری ڈپٹی آتھم سے پندرہ دن تک مناظرہ کیا۔ جب مرزا اپنے مضبوط حریف سے عہدہ برآ نہ ہو سکا تو جنابِ الٰہی سے فیصلے کا طالب ہوا، بقول اس کے خدا نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں فریقوں میں سے جو جھوٹ پر ہے وہ آج کی تاریخ (۵ رجون ۱۸۹۳ء) سے پندرہ مہینے کے اندر ہاویہ میں گرایا جائے گا۔

اس مباہلہ کی پیشگوئی کا اعلان کرتے ہوئے مرزا نے لکھا:

"میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشگوئی جھوٹی نکلی، یعنی وہ فریق جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے۔ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا اُٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے، رُوسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسّہ ڈال دیا جاوے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے، ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں۔"

میعاد گزرتی گئی اور قادیانی امت کو یقین تھا کہ ان کے مسیح کذاب کی پیش گوئی کے مطابق آتھم پندرہ مہینے کے اندر ضرور مر جائے گا۔ کیونکہ مرزا نے یہ بھی لکھا تھا:

"اور میں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کریگا، ضرور کریگا، ضرور کریگا، زمین و آسمان ٹل جائیں گے پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔"

لیکن جب میعاد میں صرف ایک رات باقی رہ گئی تو قادیان میں پوری رات شورِ قیامت برپا رہا۔ اور سب مرد و زن، چھوٹے بڑے اللہ تعالیٰ کے سامنے ناک رگڑتے، روتے یہ بین کر رہے تھے کہ یا اللہ آتھم مر جائے یا اللہ آتھم مر جائے اور سب کو یقین تھا کہ آج سورج طلوع نہیں ہوگا کہ آتھم مر جائے گا۔ مرزا غلام احمد قادیانی

نے آتھم کو مارنے کے لیے ٹونے ٹوٹکے بھی کئے اور چنے پڑھوا کر اندھے کنویں میں ڈلوائے لیکن ان تمام تدبیروں، دعاؤں، شور و غوغا کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آتھم کو مرنے نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل سے ثابت کر دیا کہ:

- مرزا قادیانی کی یہ پیشگوئی خدا کی طرف سے نہیں تھی بلکہ مرزا کا اپنا افتراء تھا۔
- مرزا قادیانی اور ڈپٹی آتھم دونوں جھوٹے تو تھے ہی، مگر مرزا، آتھم سے بڑا جھوٹا تھا۔
- اللہ تعالیٰ کی نظر میں مرزا قادیانی اس سزا کا مستحق تھا جو اس نے خود اپنے قلم سے تجویز کی تھی یعنی:

اس کو ذلیل کیا جائے۔
رُوسیاہ کیا جائے۔
اس کے گلے میں رسہ ڈالا جائے۔
اس کو پھانسی پر لٹکایا جائے۔
اور جو سزا ممکن ہو سکتی ہے اس کو دی جائے۔

کیا اس خدائی فیصلے کے بعد بھی مرزا کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کسی مباہلے کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

ب: ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ کو امرتسر کی عیدگاہ کے میدان میں مرزا قادیانی نے حضرت مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم و مغفور سے رُو در رُو مباہلہ کیا۔ اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے دے دیا کہ مرزا قادیانی، حضرت مولانا موصوف کے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگیا۔ اور مولانا موصوف مرزا کے مرنے کے بعد بھی سلامت با کرامت رہے۔

کیا اس کے بعد بھی مرزا کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کسی آسمانی شہادت کی ضرورت ہے؟

ج: ۱۵ را پریل ۱۹۰۷ء کو مرزا قادیانی نے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فاتح قادیان کے خلاف مباہلہ کا اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا: "مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ آخری فیصلہ"۔

اس میں مرزا نے اللہ تعالیٰ سے نہایت تضرع و ابتہال کے ساتھ گڑگڑا کر مکرر سہ کرر یہ دعا و التجا کی تھی کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے۔" مگر نہ انسانی ہاتھوں سے، بلکہ طاعون و ہیضہ وغیرہ امراض مہلکہ سے"۔ اور اس اشتہار میں مولانا مرحوم کو مخاطب کر کے مرزا نے لکھا:

> "اگر میں ایسا ہی کذّاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذّاب کی بہت عمر نہیں ہوتی۔ اور آخر وہ ذلّت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشدّ دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے، اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا وہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔
>
> اور اگر میں کذّاب اور مفتری نہیں ہوں۔ اور خدا کے مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ سنّت اللہ کے مطابق آپ مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے۔

پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے، جیسے طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں، آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔

یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے"

اور اس اشتہار کے آخر میں مرزا قادیانی نے لکھا:

"بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں، اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

مرزا قادیانی نے نہایت آہ وزاری کے ساتھ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے جو فیصلہ طلب کیا تھا اس کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا کہ مرزا ۲۵ رمئی ۱۹۰۸ء کو رات دس بجے تک چنگا بھلا تھا۔ شام کا کھانا کھایا اور رات دس بجے کے بعد اچانک خدائی عذاب یعنی وبائی ہیضہ میں مبتلا ہوا، اور دونوں راستوں سے غلیظ مواد خارج ہونا شروع ہوا، چند ہی گھنٹوں میں زبان بند ہوگئی اور بارہ گھنٹوں کے اندر ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو ہلاک ہوگیا۔ جبکہ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم ومغفور مرزا کی ہلاکت کے بعد اکتالیس سال تک ماشاء اللہ زندہ وسلامت رہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں سرگودھا میں واصل بحق ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اس خدائی فیصلے اور مرزا کی مُنہ مانگی موت نے ثابت کر دیا کہ وہ مفتری اور کذّاب تھا۔ مسیح موعود نہیں تھا اور یہ کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں، بلکہ شیطان کی طرف سے تھا۔

مرزا طاہر صاحب! کیا اس خدائی فیصلہ کے بعد بھی کسی مباہلہ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

۵ــــ آج آپ علمائے امت کو مباہلہ کے لیے بلاتے ہیں۔ کیا آپ کو یاد نہیں رہا کہ نصف صدی تک آپ کے ابّا مرزا محمود کو مباہلہ کے مسلسل چیلنج دیئے جاتے رہے۔ اور مرزا محمود نے ان میں سے کسی ایک کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کی۔ اس کی بھی چند مثالیں سُن لیجئے:

الف: مولانا عبدالکریم مباہلہ نے مرزا محمود پر بدکاری کا الزام لگایا، اسے بار بار مباہلہ کا چیلنج دیا، اور اس کے لیے 'مباہلہ' نامی اخبار جاری کیا۔ مرزا محمود نے مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کے بجائے مولانا عبدالکریم کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ ان کا مکان جلا دیا گیا، ان پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا اور بالآخر ان کو قادیان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

اگر مرزا محمود میں حق وصداقت کی کوئی رمق تھی تو اس نے مولانا عبدالکریم مباہلہ کا چیلنج کیوں قبول نہیں کیا ــــ مولانا عبدالکریم مرحوم کی بہن سکینہ، جو مرزا محمود کے گناہ کا تختۂ مشق بنی۔ شاید آج بھی زندہ ہے ــــ

ب: عبدالرحمٰن مصری مرزا محمود کا ایسا وفادار اور مقرب مُرید تھا کہ مرزا محمود کی غیر حاضری میں وہ قادیان میں 'قائم مقام خلیفہ' تک بنایا گیا۔ غالباً ۱۹۳۶ء میں مرزا محمود نے اس کے لڑکے کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ عبدالرحمٰن مصری نے مرزا محمود سے اس معاملہ کی تحقیقات کے لیے جماعت کے چند سرکردہ

افراد پر مشتمل کمیشن مقرر کرنے کا مطالبہ کیا' جس کے سامنے وہ اپنے الزامات ثابت کر سکے۔ مرزا محمود نے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے بجائے عبدالرحمٰن مصری اور اس کے ساتھی فخرالدین ملتانی کو ظلم و جور کا نشانہ بنایا، ملتانی کو قتل کر دیا گیا اور مصری پر نقضِ امن کے تحت مقدمات دائر کر دیئے گئے۔ عبدالرحمٰن مصری نے عدالتِ عالیہ لاہور میں بیان دیتے ہوئے کہا :

"موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے' یہ تقدس کے پردہ میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لیے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے' ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے۔ اس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔"

عبدالرحمٰن مصری نے مرزا محمود کے نام ایک خط میں یہ بھی لکھا تھا :

"میں آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ مجھے مختلف ذرائع سے یہ علم ہو چکا ہے کہ آپ جنبی ہونے کی حالت میں ہی بعض دفعہ نماز پڑھانے آجاتے ہیں۔"

ان تمام غلیظ الزامات کے باوجود مرزا محمود کو عبدالرحمٰن مصری کا سامنا کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور اسے مصری کی دعوت کو قبول کرنا موت سے بدتر نظر آیا ـــــ کیا اس سے کھلے طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس کا انگ انگ اور بند بند نجس تھا۔ اور کیا اس کے بعد بھی کسی عقلمند کو اس کے جھوٹا اور نجس ہونے میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے۔

ج : پھر آپ ہی کی جماعت کے ایک منحرف گروہ نے 'حقیقت پسند پارٹی' تشکیل دی' جس نے مرزا محمود پر سنگین اخلاقی الزامات عائد کئے۔ انہوں نے 'تاریخِ محمودیت' نامی کتاب لکھی جس میں مرزا محمود کی بدکاریوں پر ۲۸ قادیانی مردوں اور عورتوں کی مؤکد بعذاب حلفیہ شہادتیں قلمبند کی گئیں۔ اور ان حلفیہ شہادتوں میں یہاں تک لکھا گیا کہ مرزا اپنی بیٹیوں کی بھی عصمت دری کرتا ہے' اور یہ کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی بیوی سے بدکاری کراتا ہے۔ 'تاریخِ محمودیت' میں مرزا محمود کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا۔ اور ان مؤکد بعذاب حلفیہ شہادتوں کے مقابلہ میں اس سے مؤکد بعذاب حلف اٹھانے کا مطالبہ کیا گیا۔

پھر یہی مضمون راحت ملک کی کتاب "ربوہ کا مذہبی آمر" میں' شفیق مرزا کی کتاب "شہرِ سدوم" میں اور مرزا محمد حسین بی کام کی کتاب "منکرینِ ختم نبوت کا انجام" میں دہرایا گیا۔ اور مرزا محمود سے حلف مؤکد بعذاب کے ساتھ ان واقعات کی تردید کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن مرزا محمود نے ان میں سے کسی چیلنج کا جواب نہ دیا اور اس پر سکوتِ مرگ طاری رہا۔ البتہ اپنے بھولے بھالے خوش عقیدہ مریدوں کو ان کتابوں کے نہ پڑھنے کا 'سرکاری فرمان' جاری کر دیا۔ کیا اہل عقل اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کریں گے کہ مرزا محمود کے اخلاقی خط و خال وہی تھے جو ان کتابوں میں حلفیہ شہادتوں کے ذریعہ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ مرزا طاہر صاحب! کیا اسی 'خاندانی تقدس' کے بل بوتے پر آپ علمائے امت کو مباہلہ کی دعوت

دینے چلے ہیں؟

بادۂ عصیاں سے دامن تر بہ تر ہے شیخ کا
اس پہ دعویٰ ہے کہ اصلاحِ دو عالم ہم سے ہے

مرزا طاہر صاحب! اگر آپ کا خیال ہے کہ آپ کے باپ پر "حقیقت پسند پارٹی" کے الزامات غلط ہیں' تو آپ نے ان کے مطالبہ کے مطابق حلف مؤکد بعذاب اٹھا کر ان الزامات کی تردید کرنے اور مباہلہ کرنے کی جرأت آج تک کیوں نہیں کی؟

د : آپ کی جماعت میں کسی اور کو معلوم ہو یا نہ ہو لیکن آپ کو تو یقیناً معلوم ہوگا کہ آپ کے اباکی موت کن عبرت ناک حالات میں ہوئی' اور وہ اپنی زندگی کے آخری گیارہ سالوں میں ایک طویل عرصہ تک کس طرح مرقع عبرت بنا رہا۔ خصوصاً اس کے آخری دورِ ایام میں اس کی کیفیت کیا تھی؟ اور اس کی موت کیسی عبرتناک ہوئی۔

اور پھر یاد ہوگا کہ آپ کے بڑے بھائی مرزا ناصر کی ناگہانی موت کس طرح واقع ہوئی۔ آپ کے اسلام آباد کے 'قصرِ خلافت' کے سامنے ہونے والے جلسہ میں شیرِ ختم نبوت رفیق محترم جناب مولانا اللہ وسایا زید مجدہٗ نے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کا جو خط پڑھ کر سنایا تھا' اس کا کیا مضمون تھا جس کو سن کر مرزا ناصر صدمہ کی تاب نہ لاسکا اور یکایک اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ مرزا طاہر صاحب! کیا اپنے بھائی' اپنے باپ اور اپنے دادا کی عبرت ناک موتوں کو بچشمِ خود دیکھنے اور سننے کے بعد بھی آپ کے لیے کسی مزید سامان عبرت کی ضرورت ہے؟ کہ آپ علمائے امت سے مباہلہ کرنے چلے ہیں؟ کیا آپ یہ دعا کرنے کی جرأت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے باپ اور دادا کی سی موت نصیب کرے؟

۶۔۔۔۔ رفیقِ محترم جناب مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی مدظلہ العالی آپ کے ابا مرزا محمود کو اس کی زندگی میں ہر سال مباہلہ کی دعوت دیتے رہے۔ اس کی عبرت ناک موت کے بعد آپ کے بھائی مرزا ناصر کو ہر سال مباہلہ کا چیلنج دیتے رہے۔ اور اس کی ناگہانی موت کے بعد خود آپ کو بھی التزام کے ساتھ ہر سال مباہلہ کی کھلی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے متعدد بار ویمبلے ہال لندن میں بھی آپ کو دعوت دی۔ لیکن آپ کے باپ کو' آپ کے بھائی کو اور خود آپ کو آج تک اس چیلنج کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیا اس کا صاف صاف مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اپنے اور اپنے باپ دادا کے جھوٹا ہونے کا حق الیقین ہے۔ مرزا طاہر صاحب! علمائے امت کو مباہلہ کا چیلنج دینے سے پہلے کیا آپکا فرض نہیں تھا کہ آپ یہ تمام قرضے ادا کر دیتے جو آپ کے اور آپ کے باپ دادا کے ذمہ واجب الادا ہیں؟

۷۔۔۔۔ آپ نے اس فقیر کو مباہلہ کی دعوت دی ہے' یہ فقیر اس کے لیے بسرو چشم حاضر ہے۔ لیکن مباہلہ کا وہ طریقہ نہیں جو آپ نے اختیار کیا ہے اور جس کی آپ نے علمائے امت کو دعوت دی ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح گھر بیٹھے آپ پر لعنتیں بھیجتے رہیں اور اخباروں اور رسالوں میں لعنت کی پتنگ بازی کرتے پھریں۔ گھر بیٹھ کر چرخہ چلانا عورتوں کا مشغلہ ہے اور کاغذی پتنگ بازی بچوں کا کھیل ہے۔

مباہلہ کا طریقہ وہ ہے جو قرآن کریم نے آیتِ مباہلہ میں بیان فرمایا ہے کہ دونوں فریق اپنی عورتوں' بچوں

اور اپنے متعلقین کو لے کر میدان میں نکلیں، چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصاریٰ نجران کے مقابلے میں نکلے اور ان کو نکلنے کی دعوت دی۔ اور خود آپ کا دادا مرزا غلام احمد قادیانی حضرت مولانا عبدالحق غزنوی مرحوم ومغفور کے مقابلہ میں عیدگاہ امرتسر کے میدان میں نکلا۔

اگر آپ اس فقیر کو مباہلہ کی دعوت دینے میں سنجیدہ ہیں تو بسم اللہ! آئیے۔ مردِ میدان بن کر میدانِ مباہلہ میں قدم رکھئے۔ تاریخ، وقت اور جگہ کا اعلان کر دیجئے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت فلاں جگہ مباہلہ ہوگا۔ پھر اپنے بیوی بچوں اور متعلقین کو ساتھ لے کر مقررہ وقت پر میدانِ مباہلہ میں آئیے۔ یہ فقیر بھی انشاء اللہ اپنے بیوی بچوں اور متعلقین کو ساتھ لے کر وقتِ مقررہ پر پہنچ جائے گا۔

اور بندہ کے خیال میں مباہلہ کے لیے درج ذیل تاریخ، وقت اور جگہ سب سے زیادہ موزوں ہوگی۔

تاریخ : ۲۳ر مارچ ۱۹۸۹ء

دن : جمعرات

وقت : دو بجے بعد از نمازِ ظہر

جگہ : مینارِ پاکستان لاہور

میں نے اس کو بہترین تاریخ، وقت اور جگہ اس لیے کہا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے دادا مسیلمہ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۳ر مارچ ۱۸۸۹ء کو لدھیانہ میں اپنی دجالی بیعت کا سلسلہ شروع کیا تھا گویا ۲۳ر مارچ ۱۹۸۹ء کی تاریخ آپ کے مسیح دجال کی صدسالہ تقریب ہے اور اس نے لدھیانہ میں سلسلۂ بیعت کا آغاز کیا تھا، میدانِ مباہلہ میں آپ کا مقابلہ بھی لدھیانوی سے ہوگا ـــــ اس طرح بابِ لُد پر مسیح دجال کو قتل کیا جائے گا۔ ظہر کے بعد کا وقت میں نے اس لیے تجویز کیا کہ حدیثِ نبویؐ کے مطابق اس وقت فتح ونصرت کی ہوائیں چلتی ہیں۔ اور جگہ کے لیے مینارِ پاکستان کا تعین اس لیے کیا ہے کہ پاکستان میں اس سے بہتر اور کشادہ جگہ اجتماع کے لیے شاید کوئی اور نہیں ہوگی۔ علاوہ ازیں ۲۳ر مارچ کی تاریخ یومِ پاکستان بھی ہے۔ یومِ پاکستان کو مینارِ پاکستان پر اجتماع نہایت مناسب ہے۔ تاہم مجھے اس تاریخ وقت اور جگہ پر اصرار نہیں۔ بلکہ تاریخ، وقت اور جگہ کی تعیین کو آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہوں آپ جو تاریخ، وقت اور پاکستان میں مقام مباہلہ مناسب سمجھیں، تجویز کر کے مجھے اطلاع دیں۔

یہ فقیر امتِ محمدیہ کا ادنیٰ ترین خادم ہے اور آپ چشمِ بد دُور "امام جماعتِ احمدیہ" ہیں اِس فقیر کو اپنے ضعف وقصور کا اعتراف ہے اور آپ کو اپنی امامت وزعامت اور تقدس پر ناز ہے۔ لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ فقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا ادنیٰ غلام ہے۔ اور آپ جھوٹے مسیح کے جانشین ہیں۔ یہ فقیر سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمۃ للعالمین سے وابستہ ہے اور آپ دورِ حاضر کے مسیلمہ کذاب کے دم چھلے ہیں۔ یہ فقیر اپنی نالائقی کا اعترافِ تقصیر لے کر میدانِ مباہلہ میں قدم رکھے گا۔ آپ اپنی امامت وزعامت اور تقدس پر ناز کرتے ہوئے آئیے۔ میں حضرت خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا عَلَم اٹھائے ہوئے آؤں گا۔ آپ مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت ومسیحیت کا سیاہ جھنڈا لے کر آئیے۔

آیئے! اس فقیر کے مقابلہ میں میدان مباہلہ میں قدم رکھیے اور پھر میرے مولائے کریم کی غیرت وجلال اور قہری تجلّی کا کھلی آنکھوں تماشا دیکھئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ نجران کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر وہ مباہلہ کیلئے نکل آتے تو ان کے درختوں پر ایک پرندہ بھی زندہ نہ بچتا۔

آیئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ امّتی کے مقابلہ میں میدانِ مباہلہ میں نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا اعجاز ایک بار پھر دیکھ لیجئے۔

اس ناکارہ کا خیال ہے کہ آپ آگ کے اس سمندر میں کودنا کسی حال میں قبول نہیں کریں گے، اپنے باپ دادا کی طرح ذلت کی موت مرنا پسند کریں گے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نالائق امّتی کے مقابلہ میں میدانِ مباہلہ میں اترنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

۸ ـــــ یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ اس ناکارہ کو یا دیگر علمائے امت کو آپ سے یا آپ کے باپ دادا سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ نہ کسی جائیداد کا جھگڑا ہے۔ نہ کسی ریاست کا تنازع ہے۔ واللہ العظیم ہم آپ کے خیر خواہ ہیں اور نہایت دردمندی و دل سوزی سے چاہتے ہیں کہ آپ دوزخ کی آگ سے بچ جائیں۔ مرزا قادیانی کے دجل و فریب اور مکاری و عیاری کی دھجیاں اس لیے بکھیرتے ہیں تاکہ امت محمدیہؐ کے ایمان کو بچایا جا سکے اور آپ کی جماعت کے افراد کو دوزخ کی جلتی آگ سے نکالا جا سکے۔ خدا شاہد ہے کہ ہمارا یہ عمل محض رضائے الٰہی کے لیے اور آپ کی اور امتِ محمدیہؐ کی خیر خواہی کے لیے ہے۔ ہماری یہ خیر خواہی آپ لوگوں کو مرنے کے بعد معلوم ہوگی۔ میں آج پھر آپ سے اور آپ کی جماعت کے ایک ایک فرد سے نہایت اخلاص وخیر خواہی اور دل سوزی و دردمندی کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ لوگ راستے سے بھٹک گئے ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیح کے قربِ قیامت میں آنے کی خبر دی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے، کیونکہ بہتیرے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں

گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔" (متی ۲۴: ۴-۵)
مرزا غلام احمد قادیانی بھی انہی لوگوں میں سے تھا جنہوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کر کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ مرزا غلام احمد نے یا آپ لوگوں نے جو تاویلات ایجاد کر رکھی ہیں وہ محض نفس و شیطان کا دھوکہ ہے۔ یہ تاویلیں نہ قبر میں منکر نکیر کے آگے چلیں گی اور نہ فردائے قیامت میں داور محشر کے سامنے کام دیں گی۔
مرزا طاہر صاحب! آپ کے لیے اپنی امامت و امارت اور خاندانی گدی کو چھوڑ کر حق کا اختیار کرنا بے شک مشکل ہے، لیکن اگر آپ محض رضائے الٰہی کے لیے حق کو اختیار کر لیں تو حق تعالیٰ شانہ آپ کو دنیا و آخرت میں اس کا ایسا بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے کہ اس کے مقابلہ میں آپ کی موجودہ ریاست و امارت ہیچ در ہیچ ہے۔ اور اگر آپ نے ریاست کو حق پر ترجیح دی تو مرنے کے بعد ایسی ذلت اور ایسے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا جس کے سامنے موجودہ عزت و وجاہت لغو و لایعنی ہے۔ میں آپ کی جماعت کے تمام افراد سے بھی گزارش کرتا ہوں کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لیں، اور میں آپ کو، آپ کی جماعت کو اور ان تمام افراد کو جن کی نظر سے میری یہ تحریر گزرے، گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حق و صداقت کا پیغام آپ تک پہنچا دیا، کسی شخص کے دل میں حق طلبی کا جذبہ ہو اور وہ اپنا اطمینان چاہتا ہو تو اس کو سمجھانے کے لیے تیار ہوں۔
۹۔۔۔ آپ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اپنا جواب اخباروں اور رسالوں میں شائع کر دوں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے میں نے اشاعت کی کوشش کی ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اپنے اخبارات و رسائل میں میرا جواب شائع کرا سکتے ہیں۔
۱۰۔۔۔ میں نے آپ کو میدانِ مباہلہ میں اترنے کی جو دعوت دی ہے چار مہینے تک اس کے جواب کی مہلت دیتا ہوں۔ اور جواب کے لیے آخری تاریخ یکم جنوری ۱۹۸۹ء مقرر کرتا ہوں۔
۱۱۔۔۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے دیگر اکابر علماء کے نام بھی مباہلہ کا چیلنج بھیجا ہوگا۔ اس لیے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ علمائے امت کے اس خادم کا جواب سب کی طرف سے تصور فرمائیں۔ ہر ایک کو فرداً فرداً زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك
واتوب اليك۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

قارئینِ میثاق توجہ فرمائیں

ایک سال کے شمارے محفوظ رکھنے کے لیے گتے کا مضبوط کور تیار کیا گیا ہے۔

قیمت فی کور (اعلیٰ) -/۴ روپے

" " (عام) -/۲ روپے

نوٹ: بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات ایک روپیہ اضافی ارسال فرمائیں۔

مکتبہ انجمن خدام القرآن ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۲- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۳۱۲۷۵۴-۲۲۱۵۹۸

SV ADVERTISING

رفتارِ کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے دَورۂ جھنگ کے تاثرات

مرتّب : مختار حسین فاروقی

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لاہور سے ۶ر نومبر کو سڑک کے سفر کے ذریعے صبح ۴۰۔ ۱۰ بجے گورنمنٹ کالج تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دست راست جناب قمر سعید قریشی صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ دوسری اہم شخصیت جناب حافظ احمد یار صاحب کی تھی' جو اسی سرزمین جھنگ کے موضع باغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ پنجاب یونیورسٹی میں شعبۂ اسلامیات کے چیئرمین رہ چکے ہیں اور کالج ہذا میں بھی تدریسی فرائض انجام دے چکے ہیں۔ آج کل یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے کے بعد الحمدللہ پورا وقت ڈاکٹر صاحب کے اہم تعلیمی ادارے قرآن اکیڈمی میں تدریسی مشاغل میں گزرتا ہے۔

پرنسپل کالج ہذا جناب سمیع اللہ قریشی صاحب نے دیگر اساتذہ کے ہمراہ مہمانان گرامی کا استقبال کیا۔

....

گورنمنٹ کالج جھنگ کے در و بام اور فضائیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور اُن کے انقلابی فکر کے لئے نئی نہیں ہیں۔ انہوں نے یہاں دعوتِ قرآنی کا بیج فروری ۶۸ء اور ۶۹ء کے خطابات کے دوران بویا تھا۔ اور اس کی آبیاری کی تھی۔ اس دعوت سے کالج کی فضا تو معطّر ہے ہی' اہلِ دل حضرات اور خود پرنسپل صاحب کے قلب و ذہن میں بھی۔

ہلکی ہلکی سی یاد باقی ہے   تم ملے تھے کہ خواب آیا تھا

اس وقت کے خطابات کے نقوش باقی ہیں۔

۶ر نومبر ۸۸ء کا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب گویا ایک معنوی تسلسل ہے جو اللہ تعالیٰ نے بہم پہنچا دیا۔

آپ نے اپنے خطاب میں دلوں کو گرمایا اور سامعین کو ایک ولولہ تازہ عطا فرمایا۔ معاً میرے ذہن میں یہ خیال کوند گیا کہ کاش کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس سرزمین میں تھوڑا وقت

صرف فرمائیں تو عجب نہیں کہ یہاں کی زر خیز زمین نم ہو کر ایسی شاندار فصل دے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ہراول دستے کا کام دے سکے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ

....

قرآن مجید میں خالق کائنات نے آسمان' زمین' دریا' ندی' نالوں اور فصلوں کو اپنی آیات اور نشانیاں قرار دیا ہے اور ایسی مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ دلوں کی دنیا کی بربادی و ویرانی اور سرسبزی و شادابی کے لئے بارش اور فصلوں کی روئیدگی کو بطور نشانی ذکر کیا ہے۔ اگر یہ ایسا ہی ہے تو یقیناً ایک داعیٔ حق اور مذہبی مصلح کا کام ایک کسان کے کام سے مشابہت رکھتا ہے' جو دلوں کے موسموں اور دلوں کی زمینوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ان میں تیاری کے بعد بیج ڈالتا ہے اور پھر اس بیج کو موسمی تھپیڑوں سے بچاتے ہوئے اپنی فصل کو لہلہاتی کھیتی میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ میدان زراعت کا ہی ایک سلوگن ہے "جتنی گوڈی اتنی ڈوڈی' زمین میں جتنی محنت کرو گے اتنی ہی اچھی فصل پاؤ گے اور پھل پھول لگیں گے۔ داعیٔ حق کے لئے یہ گوڈی کا عمل تذکیر و یاد دہانی ہے تاکہ دلوں میں اگر کچھ خودرو خیالات و باطل نظریات نے جڑیں پکڑ لی ہوں تو اس جنگل کو صاف کر دیا جائے اور از سر نو دلوں کو "پیغام سجود" سنایا جائے تاکہ مخاطبین کے دل پسیج جائیں اور وہ بارگاہِ حق میں سجدہ ریز ہو کر اپنی لوح جبیں تازہ کر لیں۔

....

سرزمین جھنگ کا خطہ مردم خیز ہے یا نہیں اور یہاں کی مٹی ذرا نم ہو تو زرخیزی کے کس معیار پر پورا اترے گی اس کا فیصلہ تو یقیناً اہل علم کو کرنا ہے مگر اتنی بات عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ خطہ بھی باب الاسلام وادیٔ سندھ کی تہذیب و ثقافت کا اثر لئے ہوئے ہے اور آج بھی اپنے بہت سارے ثقافتی معیارات میں عوامی سطح پر سندھ کی ٹھیٹھ تہذیب سے مشابہ ہے' یہاں بھی سیاسی اور معاشی سطح پر زمینداری اور جاگیرداری کے پوٹھوہار میں (نشیب و فراز) میں بہت اونچی اونچی چوٹیاں بھی ملتی ہیں' جن کا اٹھان اب مرورِ زمانہ کے ساتھ زائل ہو رہا ہے۔

برصغیر میں ورودِ اسلام کے دورِ اول میں جب سندھ کو باب الاسلام بننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی تو یقیناً سرزمین جھنگ اسی "عربی الاصل اسلام" کی آمد پر باب الاسلام کا عقبی حصہ تھی۔ اس لئے کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ محمد بن قاسم رحمتہ اللہ علیہ کی آمد پر (۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء) مسلمان مجاہدین ملتان کو فتح کرنے کے بعد شمال میں پہاڑیوں کے

دامن تک (FOOT OF THE HILLS) پہنچے تھے۔ اگر ایسا ہے اور یقیناً ہے تو سرزمین جھنگ کا دورِ تابعین کے عربی شاہسواروں کی قدم بوسی کا شرف حاصل کرنا ایک طرۂ امتیاز ہے۔

جہاں تک اس بات کے تاریخی شواہد کا تعلق ہے تو موجودہ ضلع جھنگ کی حدود میں (جو گزشتہ ایک صدی سے مسلسل سکڑ رہا ہے ضلع فیصل آباد کے نہری علاقے کی آبادی سے پہلے جھنگ کی حدود ضلع شیخوپورہ سے ملتی تھیں) بھی ایک سے زائد جگہ ایسی قبریں ملتی ہیں جو صحابہ کی قبروں کے نام سے مشہور ہیں لیکن چونکہ ان کے نام اور دیگر کوائف معلوم نہیں اس لئے اسے مجہول گواہی ہی شمار کیا جائے گا' جب تک کسی اور ذریعے سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ مگر اس کے بعد تو ایک طویل فہرست ہے اہل علم و فضل کی جو ایک تسلسل کے ساتھ اس خطے میں موجود رہے ہیں اور شمال مغرب سے برصغیر میں اسلام کے ورودِ ثانی کے وقت سے (جو سقوط بغداد کے لگ بھگ ہوا) یہاں مسلمان صوفیائے کرام کا وسیع حلقہ موجود رہا ہے۔ چنانچہ اس کا مختصر تذکرہ حسب ذیل ہے۔

(۱) ...... حضرت غازی پیر (اصل نام۔ حضرت جلال الدین محمد)
وفات ۱۳۲ھ۔ مدفن شور کوٹ شہر

(۲) ...... حضرت مخدوم تاج الدین اٹھارہ ہزاری
ولادت ۳۶۳ھ وفات ۴۲۸ھ مدفن اٹھارہ ہزاری

(۳) ...... حضرت میاں چنوں وفات ۶۴۵ھ مدفن قصبہ میاں چنوں

(۴) ...... حضرت مخدوم نورنگ جہانیاں
ولادت ۵۹۷ھ وفات ۶۶۹ھ مدفن شور کوٹ

(۵) ...... حضرت ماچھی سلطان
ولادت ۷۵۳ھ وفات ۸۳۲ھ مدفن۔ قصبہ ماچھی سلطان

(۶) ...... حضرت شاہ اسماعیل بخاری
ولادت ۷۶۲ھ وفات ۸۵۰ھ مدفن ٹھٹھی چنیوٹ شہر

(۷) ...... شیخ جوہر المعروف شیخ چوہڑ
وفات ۸۰۴ھ مدفن۔ شیخ چوہڑ تحصیل جھنگ

(۸) ...... حضرت کبیر نیکو کارہ ولادت ۸۳۲ھ وفات ۹۲۷ھ

اس کے علاوہ بھی بہت سے بزرگان دین کے مدفن ہیں جن کا تذکرہ طوالت کے سبب نہیں دیا جارہا ہے جو تاریخ کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے (واضح رہے کہ حضرت سیّد علی ہجویریؒ (المعروف داتا گنج بخش) کا ورود لاہور ۴۳۱ھ کا ہے)۔

....

اب قارئین کو دوبارہ گورنمنٹ کالج کی جلسہ گاہ کے پنڈال لے چلتے ہیں جو سائنس بلاک کے سامنے وسیع گراؤنڈ میں سجایا گیا تھا۔ شامیانے قطار اندر قطار ایستادہ تھے۔ مہمانانِ گرامی اور سامعین کے لئے کرسیاں آراستہ کی گئی تھیں اور طلبہ کے لئے بھی نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ اور دیگر مہمانان گرامی جب پرنسپل صاحب کی معیت میں پنڈال میں داخل ہو رہے تھے تو تعلیمی اداروں کے ماحول کے مطابق تمام طلباء نے کھڑے ہو کر استقبال کیا۔

کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ بعد ازاں کالج ہذا کے ایک طالب علم نے ہدیۂ نعت پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے مختصر تعارف کے بعد آپ کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ خطاب کا عنوان تھا ’’عصر حاضر میں باطل نظریات سے متاثر احباب کے اشکالات کو واضح کرنا اور اسلامی انقلاب کے لئے فکری و عملی رہنمائی‘‘

ڈاکٹر صاحب موصوف سٹیج پر تشریف لائے آپ نے سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ اور سورۂ صف کی آیت ۹ کی تلاوت فرمائی اور بعد ازاں ایک گھنٹہ چالیس منٹ تک خطاب فرمایا۔

....

اساتذہ مہمانانِ گرامی اور طلباء کی تعداد جو پنڈال میں موجود تھی ایک ہزار سے متجاوز تھی۔ آس پاس روشوں ' درختوں کے سائے اور برآمدوں میں ایستادہ احباب الگ تھے۔ دھوپ میں بھی کثیر تعداد میں طلبا اور اساتذہ دھوپ کی تمازت کے باوصف سحر بیان سے متأثر کھڑے نظر آرہے تھے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے انقلاب کا موضوع اور ڈاکٹر صاحب کا اندازِ خطاب گویا سونے پر سہاگہ۔ ؏

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

ڈیڑھ گھنٹے کے اس خطاب میں ایسی سلاست روانی اور برجستگی تھی کہ وقت کا احساس بھی نہیں

ہوا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کے ایک شاگرد متی (SAINT MATHEW) نے کہا ہے آپ جب خطاب فرماتے تھے تو ایسے لگتا تھا جیسے آپ 'You are speaking with Authority' اسی کی مثال بچشم سر دیکھنے کو ملی کہ آں موصوف انتہائی برجستہ اور حتمی لہجے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ خطاب ایسا مدلل تھا کہ فصاحت و بلاغت کا حق ادا ہو گیا۔

....

آپ نے تلاوت کردہ آیات کی وضاحت کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ انقلاب انسانی

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

***

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔

اجتماعیت سے متعلق کسی گوشے میں کسی اہم تبدیلی کا نام ہے اور اسلام نے سیاست، معیشت اور معاشرت میں ایسی BASIC اور PROFOUND تبدیلیاں کی ہیں کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی سے ملنا محال ہے۔ آپ نے "الفضل ما شهدت به الاعداء" کے مصداق متعدد غیر مسلموں کے انقلاب محمدیؐ کی ہمہ گیریت اور عظمت کے اعتراف کے حوالوں سے اپنے خطابات کو مزین فرمایا تا آنکہ بات دل سے نکلی اور دلوں میں اترتی چلی گئی۔

آپ نے معیشت کے میدان میں سرمایہ داری کے خاتمے اور زمینداری و جاگیرداری (ABSENTEE LANDLORDISM) کا صریحاً خلاف اسلام ہونا واضح فرمایا۔ اور اس کے نتیجے میں تمام انسانوں پر ہونے والے مظالم، تعدّی اور استبداد کے خاتمے پر ہی اسلام کی حقیقی برکات کے عام ہونے کو مشروط فرمایا۔

معاشرتی سطح پر نسلِ آدم میں تمیزِ بندۂ و آقا کو ختم کرنا اسلام کی تعلیمات کا بنیادی پتھر

ہے۔ چنانچہ کالے اور گورے لوگوں میں رنگ ،نسل ، زبان اور پیشے کی بنیاد پر تمام فضیلتیں جو بدقسمتی سے غیر مسلموں سے متعدی ہو کر ہمارے اندر بھی راہ پاچکی ہیں اسلام کے منافی ہیں۔ آپ نے واضح فرمایا کہ شرفِ انسانیت میں تمام انسان حتیٰ کہ عورت اور مرد میں بھی برابری ہے۔ ہمارے اندر بھی عزت کے یہ غلط معیار ہندو معاشرے کے زیر اثر آگئے ہیں ورنہ دشمن گواہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقسیم کو ختم کر کے عملاً ایسی لعنتوں سے پاک معاشرہ قائم فرمایا تھا۔

سیاسی سطح پر "عوامی خلافت" اسلام کا تصور حکومت ہے اس لئے کہ اصل حاکمیت (SOVEREIGNTY) اللہ تعالیٰ کی ہے اور انسان کو صرف احکام خداوندی کی تنفیذ کرنا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے اندر اندر باہمی مشورے سے معاملات دنیا کو چلانا ہے یہ حکمرانی کا حق تمام انسانوں کو مساوی طور پر حاصل ہے لہٰذا کوئی خاندان یا گروہ یا قوم کسی دوسرے انسان گروہ یا قوم یا خطہ پر اپنے ذاتی حسب و نسب یا جاہ و حشمت کی وجہ سے حکمرانی کا حق نہیں رکھتا اسی وجہ سے اسلام نے سربراہ حکومت کا تصور خلافت راشدہ کے دور میں "درویش حکمران" کا دیا ہے' جو قیصرو کسریٰ سے بڑی سلطنتوں کے فرماں روا ہونے کے باوصف نہ خدام و حشم رکھتے تھے نہ باڈی گارڈ نہ قلعہ اور محل بناتے تھے' نہ تخت و تاج! اس کی مثال تاریخ انسانی میں تلاش کرنا بے سود ہے۔

....

آپ نے وضاحت فرمائی کہ اسلام نے یہ انقلابی تصورات دیئے ہیں مگر جب تک ان کو عملاً دنیا میں نافذ نہیں کیا جاتا۔ اس کا کچھ حاصل نہیں ہے قرآن مجید میں مذکورہ آیت واقعی دنیا کے انقلابی لٹریچر میں عریاں اور کھلی عبارت ہے کہ ان تصورات کو جو اسلام کے عدل اجتماعی کا نمونہ ہیں اس کو عملاً نافذ کرنے کے لئے لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لو۔ لوہے کو خالق کائنات نے بنایا اور اتارا اسی لئے ہے اگرچہ اس میں لوگوں کے لئے اور بھی منفعت کا سامان ہے مگر چاہئے کہ اہل ایمان انھیں اور اللہ کے دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر کے دم لیں۔ یہی مشن تھا تمام رسولوں کا اور یہی مقصد تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے جانے کا جو قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور ہے۔

جدید دور میں انسانی علوم وفنون سے جو بیداری پیدا ہوئی ہے تو انسان نے قدیم جاگیرداری

نظام اور شہنشائیت سے بغاوت کا علم بلند کر کے اس سے نجات حاصل کر لی مگر اس کے لئے بڑا خون خرابہ کرنا پڑا۔ اس " آزادی کی نیلم پری " کی کوکھ سے جلد ہی آزاد معیشت کے پہلے ثمر کے طور پر سرمایہ داری کی لعنت نے جنم لیا اور انسان کو سرمایہ دار بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اسی کا ردِ عمل تھا جو کمیونزم کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مگر جلد ہی انسان کو احساس ہوا کہ اس طرح تو پہلے سے موجود تھوڑی سی آزادی بھی پیٹ کے دوزخ کے بھینٹ چڑھ گئی اور انسان سوشلزم کے سرخ جنت میں بس ایک معاشی حیوان بن کر رہ گیا۔

انسان اسی افراط و تفریط میں اپنے تجربات سے فائدہ اٹھا کر ایک بہترین نظام کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ وہ تصورات کی حد تک آج اس مقام تک آپہنچا ہے جسے (SOCIAL DEMOCRACY) سوشل ڈیموکریسی کہا جا رہا ہے۔ در حقیقت انسان علومِ نبوت سے آنکھیں بند کر کے یہ سب سے اونچا مقام ہے جو حاصل کر سکتا ہے اس سے آگے تو نورِ مصطفیٰ ہی اس کی آنکھ کا سرمہ بن سکتا ہے۔ آج کا انسان خواہی نخواہی اسلام کے تصورات ہی کی طرف آ رہا ہے اور نقشہ وہی جم رہا ہے جو علامہ اقبال نے پون صدی قبل چشمِ باطن سے ملاحظہ فرمایا تھا۔ ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ ست

آج سے چودہ سو برس قبل جو معاشرہ محمد رسول اللہ نے اپنی کثیر جماعت کے ساتھ مل کر قائم فرمایا تھا وہ کوئی دو چار افراد پر مشتمل نہیں تھا بلکہ ایک عظیم خطے پر لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب آگیا تھا اور آج بھی جو اسلامی انقلاب کے بعد معاشرہ وجود میں آئے گا وہ

☆..... سود اور سرمایہ داری کا مکمل استیصال کرے گا۔

☆..... سماجی اور معاشرتی سطح پر کامل مساوات کا علمبردار ہو گا۔

☆..... زمینداری اور جاگیرداری (جو سود ہی کی ایک شکل ہے) اس کا قلع قمع کرے گا۔

یہاں تک کہ مسلمان ریاست میں:

(۱) ...... تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت کرے گا۔

(۲) ...... تعلیم اور علاج کے میدانوں میں معاشرے میں موجود تمام ناہمواریوں کو ختم کردے گا اور ایک نظام نافذ کرے گا۔

یہ عناصر وجود میں آئیں گے تو اسلام کی برکات عام مسلمان تک پہنچ سکتی ہیں ورنہ بیچارہ جیسے صدیوں سے محروم ہے اب بھی محروم ہی رہے گا۔

....

یہ متوقع عالمی اسلامی انقلاب کب اور کیسے آئے گا یہ غور طلب بات ہے۔ پہلی بات تو بڑی سادہ اور حتمی ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ

(۱) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام روئے ارضی کے انسانوں کے لئے تاقیامت نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

(۲) اور آپؐ پر نبوت ورسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے لہٰذا اس بات کا منطقی نتیجہ ہے کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا یہ نظام جیسے عرب میں قائم ہوا ایسا ہی تمام روئے ارضی پر اس کا قیام اور غلبہ ایک لابدی اور منطقی امر ہے ختمِ نبوّت کا۔ اور دوسری جانب خبر دی ہے خود آپؐ نے کہ وہ وقت آکر رہے گا کہ اسلام اس روئے ارضی پر ہر گھر میں داخل ہو کر رہے گا چاہے کوئی عزت کے ساتھ اس کو قبول کرے یا چھوٹا بن کر جزیہ دے اور اجتماعی قانون (LAW OF THE LAND) اسلام کا قبول کرے۔

لہٰذا پہلی بات تو طے ہوئی کہ یہ کام ہونا ہے۔ رہی دوسری بات کہ کون کرے گا وہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ کام اب اس "امتِ محمدؐ" کو کرنا ہے۔ اللہ نے اس امت کو بنایا اسی لئے ہے اور اس کے ذمے کام بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے۔ اس امت کے ہر فرد یعنی مسلمان کے ذمے ہے کہ اس اسلامی انقلاب کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو مکمل کرے جو دیکر آپ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اللہ کی بھی مدد ہے کہ دین اس کا ہے اور محمدؐ کی بھی مدد و نصرت ہے کہ مقصد اور مشن ان کا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس کام میں اپنا خون پسینہ لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جہاں تک عملی رہنمائی کا سوال ہے تو اس کو ڈاکٹر صاحب نے وقت زیادہ ہو جانے کے باعث مختصر الفاظ میں واضح فرمایا کہ اس کے لئے ہمیں سیرت النبیؐ کی طرف پلٹنا ہو گا اور اس کی

ورق گردانی کرنا ہوگی۔

غلبۂ اسلام کا کام جیسے دورِ اوّل میں ہوا ویسے ہی اب بھی ہوگا۔ سیرت کا مطالعہ کریں تو انقلاب کے ضمن میں چھ ادوار ہیں جو ہمیں واضح طور پر نظر آتے ہیں جو مختصراً یہ ہیں۔

(۱) دعوت...... آپ نے توحید و رسالت و معاد پر ایمان کی دعوت دی اور لوگوں کو پکارا۔

(۲) تنظیم...... جو لوگ اس دعوت کو قبول کر کے آپ کے گرد جمع ہوئے آپ نے ان کی تنظیم فرمائی، منظم فرمایا اور سمع و طاعت کی تربیت دی۔

(۳) تربیت...... دعوت و تنظیم کے بعد آپ نے اس خاص اسلامی انقلاب کی مناسبت سے اصحاب کی تربیت فرمائی۔ صاف ظاہر ہے جیسا کسی سے کام لینا ہو ویسی ہی تربیت درکار ہے اس کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔ ان تین مرحلوں دعوت...... تنظیم...... تربیت کے نتیجے میں ایک مضبوط پارٹی...... حزب اللہ وجود میں آئی۔

(۴) صبرِ محض...... چوتھا مرحلہ صبر اور برداشت کرنے کا ہے کہ جو مشکل اور تکلیف آئے اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرو اور جواب مت دو۔ ماریں کھاؤ، ہاتھ مت اٹھاؤ وجہ یہ ہے کہ شروع میں انقلابیوں کی تعداد کم ہوتی ہے اگر وہ اسی ابتدائی سٹیج پر جوابی کارروائی کرنا شروع کر دیں تو ظالم نظامِ باطل کو اخلاقی جواز مل جائے گا وہ انہیں کچل کر رکھ دے گا اسی لئے حکم ہے "کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ" اب جو زیادتی ہو رہی ہے وہ بغیر اخلاقی جواز کے ہو رہی ہے لہٰذا دیکھنے سننے والے اندر ہی اندر مسلمانوں سے متأثر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور خاموش اکثریت (SILENT MAJORITY) جو خاموش ہوتی ہے اندھی بہری نہیں ہوتی تاثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

(۵) اقدام...... جب معقول قوت فراہم ہو جائے تو باطل نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑو جس کے نتیجے میں باطل اپنی پوری قوت اور شان و شوکت سے وار کرے گا۔ کرے گا۔
اور اس کے اگلے مرحلے کے طور پر

(۶) مسلح تصادم...... مسلح تصادم ہو گا جیسے بدر سے لے کر خندق تک ہوا اور بالآخر کل ۶ سال کے اس مسلح تصادم کے نتیجے میں اسلام غالب ہو گیا۔ اصلاً اس چھٹے مرحلے کے بعد ساتواں مرحلہ ہے تخت یا تختہ۔ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبیؐ تھے، رسولؐ تھے لہٰذا

چوتھا مرحلہ شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے مکمل رہنمائی کے نتیجے میں کوئی غلطی کا امکان نہیں تھا اس لئے کامیابی یقینی تھی۔ مگر اب جب کہ کوئی نبی نہیں رسول نہیں تمام غیر نبی ہیں جن کا اللہ سے ہم کلامی اور وحی کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ لہٰذا اپنے تمام تر خلوص اور تقویٰ کے باوجود غلطی کا امکان موجود رہے گا۔ تاہم اگر صحیح اور بروقت فیصلہ کر لیا گیا تو کامیابی کا وعدہ اللہ کی طرف سے موجود ہے۔ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتۡحٌ قَرِيۡبٌ

....

تقریر کے اختتام پر پرنسپل صاحب شکریہ کے کلمات ادا فرما رہے تھے اور اس بابرکت محفل کے برخاست ہونے کا اعلان کر چکے تو طلبا کے لئے بقیہ کلاسوں کی چھٹی کا اعلان کر دیا گیا۔

چائے سے فراغت کے بعد سٹاف روم میں موجود اساتذہ کے ساتھ ایک نشست میں ڈاکٹر صاحب نے سوالات کے جوابات دیئے۔ وقت زیادہ ہو چکا تھا لہٰذا یہ محفل بہت مختصر رہی۔ اختتام پر پرنسپل صاحب اور دیگر سٹاف ممبران نے مہمانانِ گرامی کو پرجوش الوداع کہا اگرچہ ماحول کی کیفیت کچھ اس سے مختلف نہ تھی۔ ۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شد

بعد ازاں ڈاکٹر صاحب حسب پروگرام رفقاء کی معیت میں جھنگ سٹی میں واقع جناب آفتاب اقبال صاحب کے ہاں تشریف لے گئے جہاں سب احباب نے دوپہر کا کھانا تناول فرمایا احباب کے سوالوں کے جواب دیئے اور بالآخر ۲-۳۰ بجے دوپہر جھنگ میں مختصر قیام کے بعد یہ قافلہ واپس عازم لاہور ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام کو کالج کے سٹاف اور پرنسپل صاحب نے تو پوری دلجمعی اور تندہی سے کامیاب کرایا۔ دیگر احباب میں جناب رحیم صدیقی صاحب اور آفتاب اقبال صاحب نے قابل قدر محنت کی۔ جھنگ کے علاوہ ملتان سے بھی جناب سعید ہٹہ صاحب، چودھری شفیع صاحب، جناب اقبال صاحب اس پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ ان تمام حضرات کا جنہوں نے دامے درمے سخنے اس کار خیر میں حصہ لیا ان سب کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان فراموشی ہو گی۔

—— (۲) ——

انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

"انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور" طلبہ تنظیم اسلامی کے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں رفقاء کی تعداد اٹھائیس (۲۸) ہے۔ یونیورسٹی کو دو اُسروں میں تقسیم کرنے کے بعد انتظامی ضرورت کے تحت مزید چار حلقوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ یہاں تنظیم کے لٹریچر اور کیسٹوں پر مشتمل دو لائبریریاں قائم ہیں۔ الحمد للہ یونیورسٹی میں تنظیم کی دعوت کافی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ سینکڑوں طلبہ تک اسلام کی انقلابی دعوت پہنچ چکی ہے۔

طلبہ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام یونیورسٹی کے مختلف ہوسٹلز میں چار ہفتہ وار دروسِ قرآن عرصہ ایک سال سے باقاعدگی کے ساتھ منعقد ہو رہے ہیں۔ (جبکہ یہ اعزاز کسی دوسری تنظیم کو حاصل نہیں) نارمل حالات میں دروس میں طلبہ کی حاضری تیس سے پینتیس تک ہوتی ہے۔

کافی عرصہ سے یونیورسٹی رفقاء کی خواہش تھی کہ امیر محترم سے ملاقات کی جائے' بالآخر میاں نعیم صاحب (ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی) کی وساطت سے ۳۰ اکتوبر کا دن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کیلئے طے پایا۔ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات بڑی خوش کن رہی۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رفقاء نے ڈاکٹر صاحب کو یونیورسٹی میں خطاب کرنے کا دیرینہ مطالبہ داغ دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کمال شفقت کے ساتھ اس دعوت کو قبول فرمایا۔ تاریخ ۲ نومبر (بعد نمازِ عشاء) طے پائی۔ خطاب کی دعوت وانتظامات کیلئے ہمارے پاس تقریباً دو دن تھے' جبکہ پندرہ ہوسٹلز میں مقیم تقریباً پانچ ہزار طلبہ ہمارے پیش نظر تھے۔ گویا وقت کم اور مقابلہ سخت تھا' لیکن تمام رفقاء نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اپنے آپ کو اس خطاب کے انتظامات کیلئے کھپا دیا۔ دوسری تنظیموں کے غیر ذمہ دارانہ رویّوں کی وجہ سے یونیورسٹی انتظامیہ کافی محتاط ہو چکی ہے' لہٰذا قدم قدم پر مشکلات کا سامنا تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے ہر کام خوش اسلوبی کے ساتھ طے پاتا گیا۔

ہر رفیق "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ" کی قرآنی ہدایت پر عمل پیرا نظر آتا تھا۔ ایسے حالات میں جبکہ غلط تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے غلط استعمال نے نوجوانوں کو اپنے دین ومذہب

سے کوسوں دور کر دیا ہے۔ اللہ کے یہ داعی ہوسٹل کے ہر کمرے میں جا کر قرآن کی دعوت پہنچا رہے تھے۔ تھکن اور بے آرامی کے باوصف ایک ہی جذبہ کارفرما تھا کہ کس طرح قرآن کا انقلابی پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے۔ اللہ کا دین سب سے سربلند ہو جائے۔ پروفیسر صاحبان کیلئے خصوصی دعوتی کارڈ چھپوائے گئے۔ شعبۂ علوم اسلامیہ کے چیئرمین پروفیسر عبدالحفیظ صاحب نے اس اجتماع کی صدارت قبول فرمائی۔ ۲۔ نومبر کی شب ' رفقاءَ کے چہرے مسرت سے دمک رہے تھے۔ ملٹی پرپز ہال (MULTI-PURPOSE HALL) جو کہ یونیورسٹی کا سب سے وسیع اور خوبصورت ہال ہے۔ قرینے کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ سٹیج پر لگا ہوا بینر هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ " جہاں نبی کریمؐ کا مقصدِ بعثت متعین کر رہا تھا۔ وہاں اُمت محمدیہؐ کو جہدِ مسلسل کی دعوت بھی دے رہا تھا۔

قائد تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد بروقت ہال میں تشریف لے آئے۔ تلاوتِ قرآن پاک سے تقریب کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد راقم (ناظم طلبہ تنظیم اسلامی انجینئرنگ یونیورسٹی) نے ڈاکٹر صاحب اور طلبہ تنظیم کا مختصر تعارف کروایا۔ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں طلبہ کی توجہ قرآن مجید کے حقوق کی طرف مبذول کرائی۔ ہال میں موجود تمام کرسیاں پُر ہو چکی تھیں اور بیچ کی خالی جگہیں کھڑے ہوئے طلبہ سے پُر ہو رہی تھیں۔

ڈاکٹر صاحب تقریباً دو سال کے عرصے کے بعد یونیورسٹی میں تشریف لائے تھے۔ اپنے خطاب کے آغاز میں فرمایا کہ جو لمحات نوجوانوں کے ساتھ گزارنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ میرے لئے نہایت مسرت بخش اور خوش کن ہوتے ہیں۔ آج کی نشست کا موضوع "قرآن۔ خدا کا آخری پیغام" درحقیقت علامہ اقبال مرحوم کے ایک شعر ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں   حاملِ او رحمۃؐ للعالمین!!

سے مستعار لیا گیا ہے۔ موضوع سامنے آتے ہی کچھ بنیادی نوعیت کے سوالات ذہن میں اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے پیغام سے کیا مراد ہے؟ اور یہ آخری پیغام کیوں ہے؟

ڈاکٹر صاحب نے موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو طرح کے علوم سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک علم کو ہم "تجرباتی علوم" کا نام دے سکتے ہیں۔ اس علم کی بنیاد انسان کے حواس پر ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے حصول کیلئے بنیادی استعداد انسان کے اندر پیدائشی طور پر ودیعت کر دی گئی ہے۔ یہ علم بتدریج آگے بڑھ رہا ہے۔

جس طرح آم کی گٹھلی میں پتے' شاخیں اور پھول بالقوہ موجود ہوتے ہیں۔ بالکل یہی مثال اس علم کی ہے۔ اس علم کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا
(ترجمہ.....اور علم دے دیا اللہ نے حضرت آدمؑ کو کل چیزوں کے اسماء کا)

دوسری قسم کے علم کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور اس کائنات سے متعلق ہے۔ انسان اس کائنات کی کلی حقیقت جاننا چاہتا ہے۔ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں وغیرہ جیسے سوال ہر دور میں انسان کے ذہن میں اٹھتے رہے ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں فلسفیانہ علوم پیدا ہوئے۔ گویا انسان محض "تجرباتی علوم" ہی کا محتاج نہ تھا۔ نظری و فکری علوم بھی آغاز ہی سے انسان کی ضرورت رہے ہیں۔ اس علم کی عظیم حقیقت کا بیان سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں ہے۔ جب حضرت آدمؑ کو کُرِّمْنَا کا تاج پہنا دیا گیا تو ساتھ ہی ہدایت کر دی گئی۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

(ترجمہ۔ پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت۔ سو جو شخص پیروی کرے گا میری ہدایت کی تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہو گا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے)

طلبہ کو غالباً پہلی مرتبہ تاریخِ فلسفہ کے حوالے سے قرآن کو سمجھنے کا موقع میسر آیا تھا۔ لہٰذا سب حاضرین ہمہ تن گوش ہو کر تقریر سن رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے موضوع کے ایک اور گوشے پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے ساتھ ہی دو قافلوں نے بیک وقت سفر شروع کیا۔ ایک "قافلۂ نبوت" اور دوسرا "قافلۂ انسانیت" قافلہ نبوت کے ذریعے انسان کو اللہ کی جانب سے وقتاً فوقتاً ہدایت پہنچتی رہی۔ یہاں تک کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچ کر اپنی تکمیلی شان حاصل کر گیا۔ گویا ہدایت آپؐ پر پہنچ کر "الھدٰی" بن گئی۔ اللہ نے اس ہدایت کو کامل' دائمی بنا کر اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔ تمام اساتذہ اور طلبہ ڈاکٹر صاحب کے مدلّل اور مربوط خطاب میں اپنی ذہنی الجھنیں دور ہوتی ہوئی محسوس کر رہے تھے۔

موضوع کے آخری حصے کی طرف آتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "قرآن کا آخری پیغام" ہونا ارتقاءِ انسانی کے حوالے سے بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ بنیادی طور پر نوعِ انسانی کا ارتقاء تین گوشوں میں ہوا۔ پہلا ارتقاء سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ہوا۔ یہ

ارتقاء آج اپنے عروج پر ہے۔ اس ارتقاء کے حوالے سے قرآن کے "پیغام آخر" ہونے کا ایک پہلو قابل توجہ ہے۔ علوم طبیعیہ کی وسعت وترقی کے ساتھ ذرائعِ ابلاغ (MEANS OF COMMUNICATION) کا ارتقاء ہوا۔ اس پہلو سے انسان اب اس مقام تک پہنچ چکا تھا کہ ایک آخری پیغام اس کے ہاتھ میں تھما دیا جائے۔ پہلے یہ اس لئے ممکن نہ تھا کہ انبیاء کسی خاص قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے۔ ان کا خطاب "اے میری قوم" سے شروع ہوتا تھا، لیکن حضورؐ کو تمام انسانیت کیلئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ قرآن تمام انسانیت کو "اے لوگو!!" کے عنوان سے مخاطب کرتا ہے۔ اس دور میں فاصلے سکڑ گئے ہیں اور اب ایک نبی کی دعوت پوری نوعِ انسانی تک پہنچانا عملاً ممکن ہے۔

دوسرا ارتقاء فلسفیانہ سوچ کے میدان میں ہوا۔ تاریخِ فلسفہ کے اکثر ماہرین یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخِ انسانی کے بارہ سو سال (چھ سو قبل از مسیح اور چھ سو بعد از مسیح) فلسفیانہ غور وفکر کے اعتبار سے بہت اہم اور تخلیقی (PRODUCTIVE) تھے۔ اس دور میں افلاطون، ارسطو، زرتشت اور گوتم بدھ جیسے عظیم فلاسفر پیدا ہوئے اور آج بھی ان کے نظریات کو فکر انسانی میں بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ موجودہ دور کے تمام فلسفے اور تمام نظریات در حقیقت نئی بوتلوں میں پرانی شراب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تمام فلسفے ان بارہ سو سالوں کے دوران منصۂ شہود پر آچکے تھے، جن کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔ گویا انسان جو کچھ سوچ سکتا تھا وہ بعثت محمدیؐ سے قبل سوچ چکا تھا۔ اور اب ضرورت تھی کہ انسان کو ایک ہدایتِ کلی (قرآن) سے سرفراز کر دیا جائے اور مکمل ہدایت نامہ اور مکمل فکری غذا انسان کے ہاتھ میں تھما دی جائے۔

تیسرا ارتقاء "تہذیب وتمدّن" کے شعبہ میں ہوا۔ انسانی تمدّن کا ارتقاء غاروں، قبیلوں اور ریاستوں سے ہوتا ہوا بالآخر قیصر وکسریٰ کی عظیم سلطنتوں اور شہنشاہیت تک جا پہنچا۔ اس میدان میں بھی انسانی سوچ حضورؐ کی بعثت سے قبل بلوغت کی حد کو چھو رہی تھی۔ لہٰذا اس میدان میں بھی اصولی ہدایات دینے کے بعد سلسلۂ پیغامِ خداوندی کو قرآن کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔

رات کافی گذر چکی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب کا خطاب دلوں کو قرآن کے نور سے منور کر رہا تھا۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اب ضرورت ہے کہ ہم اس کامل ترین پیغام، قرآن کو تمام دنیا کے سامنے عملی صورت میں پیش کریں اور اسلام کے ابدی اصولوں کی بنیاد پر ایک معاشرہ بالفعل قائم کر کے دکھائیں، لیکن اس کیلئے شدید محنت درکار ہوگی۔ ضرورت اس

بات کی ہے کہ ہم قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے دردمندی کے ساتھ فرمایا کہ جن طلبہ کو ناظرہ قرآن نہیں پڑھنا آتا وہ جلد از جلد اس کی طرف متوجہ ہوں اور جنہیں پڑھنا آتا ہے، وہ قرآن پر غور و تدبّر کیلئے کمر کس لیں۔ اتنی عربی ہر طالب علم کو آنی چاہئے کہ جب وہ قرآن پڑھے تو اس کا براہ راست مفہوم سمجھتا جائے اور اس کے اثرات کو اپنے قلب پر محسوس کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ تنظیم کی جانب سے عربی سکھانے کیلئے ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔ دعا کے ساتھ یہ پروقار تقریب اختتام پذیر ہوئی اور طلبہ و حاضرین قرآن کی عظمت کا نقش دلوں میں لئے وہاں سے رخصت ہوئے۔

مرتّب: اکرام اللہ

(ناظم طلبہ تنظیم اسلامی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور)

(۳)

نیشنل کالج آف ٹیکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد میں رفقاءِ تنظیمِ اسلامی کی دعوتی سرگرمیاں

ہمارے کالج میں طلباء کی کل تعداد دو سو کے لگ بھگ ہے اور راقم کے علاوہ چند دیگر رفقائے تنظیم بھی اس کالج کے طالب علم ہیں۔ جناب بھائی غلام اصغر صدیقی (سال چہارم) نے قریباً دو سال قبل یہاں پر تنہا دعوت و تبلیغ دین کا کام شروع کیا تھا۔ الحمد للہ اب ان کے گرد و پیش رفقائے تنظیم اور معاونین کا ایک معقول حلقہ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ حلقہ وسعت پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو ہمیشہ حق کا داعی بنائے رکھے اور ثابت قدم رکھے۔ ہمارے رفقاء میں سے تقریباً ۷۰ فیصد فعال طور پر دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں۔

یوں تو ایک بندۂ مومن ہر پل ہی اپنے قول یا عمل سے دوسروں کو دعوتِ حق دیتا ہے، لیکن دعوت دین کے لئے باقاعدہ منظم جدوجہد کرنا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ چنانچہ ہم بھی مختلف طریقوں اور پروگراموں کے ذریعے لوگوں کو حق کی جانب پیش قدمی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہم نے یہاں ہفتہ وار درس قرآن کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس میں ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب ہر ہفتہ کو نماز عصر کے بعد "منتخب نصاب" سے اپنے مخصوص علمی و فکری انداز میں

درس قرآن دیتے ہیں۔ حاضری ۱۰ سے ۱۵ تک رہتی ہے۔ درس کی حاضری بہتر بنانے اور توسیع دعوت کے لئے ہم نے ایک ہینڈ بل چھپوا کر اپنی قریبی بستی مانانوالہ کے علاوہ سٹیم پاور اسٹیشن اور گٹی گرڈ اسٹیشن کی مساجد میں بھی خاصی تعداد میں تقسیم کیا ہے۔ ہینڈ بل تقسیم کرنے میں کچھ دوستوں نے ہم سے جس طرح بھرپور تعاون کیا اور خود ہمارے ساتھ مختلف مساجد میں گئے، میں ان کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

کالج میں لائبریری کے باہر جو بلیک بورڈ بنے ہوئے ہیں ان کا بھی خوب استعمال کیا جاتا ہے اور اصغر صدیقی بھائی (ناظم پنجاب) اکثر ان پر آیات قرآنی مع ترجمہ اور علامہ اقبال کے اشعار لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کام ہاسٹل کے نوٹس بورڈ سے بھی لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر پنجاب کے سیلاب اور پھر حیدر آباد کے سانحہ کے بعد "پنجاب میں سیلاب کی تباہ کاریوں سے لے کر حیدر آباد اور کراچی کی قیامت صغریٰ تک" کی سرخی کے تحت طلباء کو ان کی ذمہ داریوں کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم نے ایک سو طلباء کو "میثاق" کے پرچے بذریعہ ڈاک ارسال کروائے اور چھٹیوں کے بعد ایک سروے رپورٹ تیار کی۔ سروے رپورٹ میں مندرجہ ذیل سوالات پوچھے گئے :

۱ - کیا آپ کو چھٹیوں کے دوران "میثاق" باقاعدگی سے ملتا رہا؟

۲ - کیا آپ نے ہر میثاق کے تقریباً چالیس فیصد صفحات کا مطالعہ کیا؟

۳ - کیا آئندہ بھی آپ خود "میثاق" کے خریدار رہنا چاہتے ہیں یا دوستوں سے لے کر مطالعہ کرنا چاہتے ہیں؟

۴ - کیا آپ نے رعایتی قیمت کے حساب سے "میثاق" کی ادائیگی کر دی ہے؟۔

اس رپورٹ کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج بر آمد ہوئے۔ اور اب بھی ہر ماہ کالج میں "میثاق" کے تقریباً ساٹھ پرچے آرہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر ہفتے "ندا" کے تقریباً پندرہ پرچے بھی آرہے ہیں جس سے طلباء میں دین کی طرف رغبت کے علاوہ سیاسی شعور بھی پیدا ہو رہا ہے۔ "ندا" کی خریداری کے لئے ہم نے تین تین طلباء کے گروپ بنائے ہوئے ہیں تاکہ ان پر زیادہ معاشی بوجھ بھی نہ ہو۔ اس طرح ۱۵ پرچوں سے تقریباً ۴۵ طلباء استفادہ کر رہے ہیں اور ایک دو حضرات تو اکیلے ہی خرید رہے ہیں۔

نمازِ عشاء کے بعد تذکّر بالقرآن کے حوالے سے ہم نے ایک پروگرام شروع کر رکھا

ہے۔ جس میں اصغر صدیقی بھائی دس منٹ کے لئے درس قرآن دیتے ہیں۔ اس میں اکثر تین چار رفقاء شرکت کرتے ہیں اور کبھی کبھار کوئی دوسرا ساتھی بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔

یکم اکتوبر کو نماز عصر کے بعد ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن تھا۔ اسی روز نماز مغرب کے بعد رفیق محترم محمد شریف عثمانی صاحب کا درس قرآن رکھا گیا تھا۔ اگرچہ وہ کچھ تاخیر سے پہنچے، لیکن یہ پروگرام نہایت اچھا رہا۔ عثمانی صاحب نے سورۃ النور کا درس دینا تھا اور سورۃ النور سال چہارم کے کورس میں شامل تھی جس کا امتحان چند روز بعد ہونے والا تھا، اس لئے حاضری خاصی تھی۔ سال چہارم کے تقریباً ۲۵ طلباء نے شرکت کی۔ عثمانی صاحب اپنے مخصوص شگفتہ لہجے میں درس دیتے جا رہے تھے اور طلباء سننے کے ساتھ ساتھ نوٹ بھی کرتے جا رہے تھے اور ایک ساتھی تو باقاعدہ کیسٹ پر ریکارڈ کر رہے تھے۔ اس سورۃ کے ضمن میں آپ نے بعض فقہی مسائل پر بھی سیر حاصل گفتگو کی۔ یہ پروگرام ۳۰ - ۷ سے لے کر رات ۱۰ بجے تک جاری رہا۔

۲ - اکتوبر کو رات نو بجے "اسلام کا معاشی نظام" کے موضوع پر امیر حلقہ وسطی پنجاب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا خطاب تھا۔ یہ عنوان بھی سال چہارم کے سلیبس میں سے تھا اور اگلے روز اس کا پیپر بھی تھا، اس لئے حاضری بہت اچھی رہی۔ اس خطاب میں چونکہ بعض ایسے حضرات بھی شرکت کر رہے تھے جو ہمارے ہفتہ وار درس قرآن میں پہلے شریک نہیں ہوتے رہے، اس لئے اصغر صدیقی بھائی نے پہلے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کا تفصیلی تعارف کرانا مناسب سمجھا۔ اس کے بعد راقم نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں سے چند اشعار پڑھ کر سنائے" جن کے مطالب کی وضاحت محترم ڈاکٹر صاحب نے فرمائی۔ یہ پروگرام بھی ایک ساتھی نے ریکارڈ کیا اور تقریباً ۱۰ بجے رات یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

امتحانات کے سلسلے میں ہم نے سالِ چہارم کے سلیبس میں شامل احادیث پر بھی درس رکھا ہوا تھا۔ یہ درس چند روز کے بعد امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے دیا۔ احادیث "امارت" کے موضوع پر تھیں۔ اس میں بھی حاضری اچھی خاصی تھی۔ لاہور سے محمد غوری صدیقی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ درس کے بعد کھانے کے دوران آپ نے نظم کی اہمیت کے متعلق رفقاء سے بڑی مؤثر گفتگو کی۔

سال چہارم کے امتحانات کے بعد ۱۸ / اکتوبر سے سال سوم کے امتحانات کا آغاز ہو رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر ایسے ہی پروگرام ترتیب دیئے گئے۔ اس سلسلے میں محمد شریف عثمانی

صاحب نے سورۃ النساء کی آیات پر مشتمل درست دیا۔ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے "حقیقتِ جہاد" کے موضوع پر خطاب کیا اور چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے سال سوم کے سلیبس میں شامل احادیث پر درس دیا۔ ان سب پروگراموں میں حاضری ۲۰ سے ۳۰ تک ہوتی تھی۔

۲۳ر اکتوبر کو ہاسٹل میں "فلسفۂ شہادت" کے موضوع پر امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خطاب بذریعہ ویڈیو دکھایا گیا۔ حاضری ۱۵ تھی۔ یہ خطاب فیصل آباد ہی میں تنظیم اسلامی حلقہ وسطی پنجاب کے علاقائی اجتماع منعقدہ جولائی میں ہوا تھا۔ یہی خطاب محترم دوست منیر احمد صاحب نے اپنے گاؤں "باگیوالہ" میں بھی دکھایا تھا۔ منیر بھائی اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم کارکن ہیں۔

۲۹ر اکتوبر کو "طلبائے تنظیم اسلامی" کے پہلے آل پاکستان کنونشن کی کارروائی بذریعہ ویڈیو دکھائی گئی۔ اس پروگرام میں تقریباً ۱۵ طلباء نے شرکت کی۔ چونکہ ان دنوں سال سوم کے امتحانات ہو رہے تھے' اس لئے یہ کارروائی کچھ روز کے بعد دوبارہ دکھائی گئی جس میں ۱۰ طلباء شریک ہوئے۔

جمعہ ۲۸ر اکتوبر کو ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ماہانہ درس قرآن تھا۔ ٹیکسٹائل کالج سے ہم نے سوزوکی کا انتظام کر رکھا تھا لیکن طلباء زیادہ تعداد کے باعث ایک سوزوکی میں نہ سما سکے اور باقی حضرات کو دوسرے ذرائع سے ڈسٹرکٹ کونسل ہال پہنچنا پڑا۔ کالج سے شرکت کرنے والوں کی کل تعداد ۲۴ تھی۔

امیر محترم نے سورۂ لقمان کی روشنی میں حکمتِ قرآنی کی اساسات کو واضح کیا۔ آپ نے بتایا کہ کس طرح سے ایک سلیم الفطرت انسان عقلِ صحیح کی رہنمائی میں حقیقت کو پا سکتا ہے اور عقل ارتقاء کی منازل طے کرتی ہوئی وحی کے بغیر بھی توحید تک پہنچ سکتی ہے' بشرطیکہ فطرت مسخ نہ ہوئی ہو۔ فطرت سلیمہ کا منطقی نتیجہ شکر ہے۔ اور عقل سلیم منعم حقیقی کو پہچانتی ہے اور اصل شکر اسی کا ادا کرتی ہے۔ عقلِ ناقص کی بدولت انسان کبھی سورج' کبھی آگ' اور کبھی پانی کو پوجتا ہے۔ لیکن عقلِ سلیم رکھنے والا انسان اپنے محسنِ حقیقی اور مسبب الاسباب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور ان درمیانی اسباب میں ہی بھٹکتا نہیں رہتا۔

آپ نے فرمایا کہ قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ موضوع کی مناسبت کے اعتبار سے اس میں تبدیلی ہوتی ہے۔ جب نظامِ دین کی بات ہو گی تو اللہ کے شکر کے بعد رسولؐ کا ذکر آئے گا لیکن

جب حکمتِ دین کی بات ہوگی تو اللہ کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر آئے گا۔ کیونکہ اگرچہ اصل رب تو اللہ ہی ہے لیکن انسان کی پرورش میں کارفرما دنیوی عناصر میں سے والدین اور خصوصاً والدہ کے احسانات سب سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہاں پر اللہ کے شکر کے بعد والدین کے شکر کا ذکر ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر والدین کوئی ایسا حکم دیں جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو تو اطاعت لازم نہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ انسان میں نیکی اور بدی کا شعور ودیعت شدہ ہے۔ اب عقل اس کے نتیجے میں آخرت تک رہنمائی کرتی ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ اس نیکی اور بدی کے بدلے میں جزاء اور سزا بھی ناگزیر ہے جب کہ اس دنیا میں نہ کسی کو اس کی نیکی کا مکمل صلہ ملتا ہے اور نہ ہی برائی کے برابر سزا بھی ممکن ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی جہان اور بھی ہو جہاں پر اس نیکی اور بدی کی مکمل جزا اور سزا مل سکے۔

امیر محترم کے درس کے بعد ہم نے طلباء میں کتابچہ "طلبہ کے مسائل اور ان کا حل" اور طلبائے تنظیم اسلامی کا منشور تقسیم کیا۔ اور ان سے گذارش کی کہ ہمیں اپنے ایڈریس دیتے جائیں تاکہ بعد میں رابطہ ممکن ہو سکے۔ یہاں پر ۹۰ کتابچے تقسیم ہوئے اور ہمیں تقریباً ۷۵ طلباء کے ایڈریس موصول ہوئے۔

درس کے بعد ڈسٹرکٹ کونسل ہال کی مسجد میں سوال و جواب کی نشست ہوئی جس میں امیر محترم نے لوگوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس نشست کے بعد امیر محترم اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے ہمراہ لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ میں اور زاہد بھائی امیر محترم کے ساتھ ہی اپنے کالج تک آئے اور کالج گیٹ کے سامنے ہم نے امیر محترم اور محترم ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کو الوداع کہا۔

(۴)

علاقائی اجتماع حلقہ وسطی پنجاب کی رپورٹ

گذشتہ جولائی کی ۲۹ر تاریخ کو فیصل آباد کے علاقائی اجتماع میں جب یہ طے ہوا کہ اکتوبر کی انیس تا اکیس کو گجرات میں ایک بار پھر حلقہ وسطی پنجاب کے رفقاء اکٹھے ہوں گے تو کسی کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ پلوں کے نیچے سے اس قدر پانی بہہ چکا ہوگا اور اکتوبر کی یہ تاریخیں انتخابی گہما گہمی اور کھینچا تانی سے مملو ہوں گی۔

چنانچہ ۱۹ر اکتوبر بدھ کی شام کو جب راقم الحروف گجرات پہنچا تو شہر بھر میں سیاست گویا ابل رہی تھی۔ ہمارے دفتر کے قریب ہی مسلم لیگ ہاؤس میں مسلم لیگ والوں کا جلسہ تھا اور وسیع عمارت لوگوں سے پٹی پڑی تھی۔ اُدھر شہر کے کسی دوسرے کونے میں پیپلز پارٹی کے جیالے بھی جمع ہو رہے تھے کاروں میں نصب رواں دواں لاؤڈ سپیکروں سے بلند آہنگ اعلانات ہو رہے تھے۔ پورا شہر انتخابی بینروں اور جہازی سائز اشتہاروں سے کسی نمائش گاہ کا سماں پیش کرتا تھا۔ انہی جہازی سائز اشتہاروں میں تنظیم اسلامی کے ننھے منے اشتہار بھی یہاں وہاں چشمک زنی کر رہے تھے اور لمبے چوڑے انتخابی وعدوں کے نقار خانے میں تنظیم اسلامی کا طوطی بھی صدا لگا رہا تھا کہ آج رات بعد نماز عشاء مفکر اسلام جناب ڈاکٹر اسرار احمد عوام سے سیرۃ النبی کے انقلابی پہلو کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے۔

دراصل یہ سہ روزہ تربیتی اجتماع ۱۹ر اکتوبر کو دس بجے قبل دوپہر ہی جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے پر لطف درس قرآن سے شروع ہو چکا تھا اور گجرات کے ناظم جناب شمس الحق اعوان رفقاء کو نظم وضبط اور اجتماع کی باریکیوں پر لیکچر پلا چکے تھے اور اب عشاء کی نماز کے بعد امیر محترم عوام سے خطاب فرمانے والے تھے۔ دارہ بلوچاں میں واقع تنظیم اسلامی کے دفتر کے عین سامنے کشادہ شاہراہ پر ایک تنگ سا راستہ گزر گاہ کے طور پر چھوڑ کر شامیانے لگے تھے۔ دریاں بچھی تھیں۔ ننھا سا سٹیج بنا تھا۔ یہ تھا وہ پنڈال جہاں سے داعیٔ انقلاب اسلامی اہالیانِ گجرات کو مخاطب کرنے والے تھے۔

عشاء کی نماز کے بعد رفقاء پنڈال میں جمع ہوئے اکا دکا لوگ بھی آنے شروع ہوئے۔ گجرات جیسے پر از سیاست شہر پر انتخابی گہما گہمی مزید براں شہر میں انتخابی جلسے..... ایسے میں سیرۃ النبی کے انقلابی پہلو پر داعیٔ انقلاب کی تقریر سننے کون آتا؟ لیکن نہیں "ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں" ابھی اس مٹی میں کسی قدر نمی موجود ہے۔ چند صد لوگ انتخابی دھوم دھڑکے کے بھنور سے مثل حباب ابھرے اور تنظیم اسلامی کا پنڈال بھر گیا۔

کوئی ساڑھے آٹھ بجے امیر محترم کا خطاب شروع ہوا فصاحت و بلاغت کا چشمۂ صافی پھوٹ بہا... موضوع سیرۃ مطہرہ تھا لیکن ڈاکٹر صاحب محترم نے بات انتخابات کے انعقاد سے شروع کی اور فرمایا کہ اگرچہ میں نے اور میری جماعت نے انتخابی سیاست کو نہ اپنانے کا تہیہ کر رکھا ہے لیکن انتخابات ہوتے رہنے چاہئیں کہ اس کے دو فائدے ہیں ایک منفی یعنی یہ کہ

انتخابات میں لوگوں کے دلوں کی بھڑاس نکلتی رہتی ہے اور اندر ہی اندر یہ ناسور نہیں بنتی اس طرح الیکشن گویا سیفٹی والو کا کام کرتے ہیں دوسرا فائدہ مثبت ہے کہ حکومت کو چلانے کے لئے بہتر ہاتھ دستیاب ہوتے رہتے ہیں...... تاہم انتخابات کے ذریعے سے اسلام ہرگز نہیں آسکتا۔ اگر اسلام کی برکات کے سائے میں آکر دنیا و دیں دونوں کی بھلائی چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلابی اسوہ اختیار کرو..... کہ یہی ایک فلاح کی راہ ہے۔ اب امیر محترم نے سیرۃ مطہرہ کے حوالے سے پورا فلسفۂ انقلاب پیش فرمایا۔ یہ وعظ دلپذیر دو گھنٹے تک جاری رہا اور باشندگان گجرات نے دلچسپی اور لجمعی سے سنا۔ کاش ربِّ عزّ و جل لوگوں کے دلوں کو پھیر دیں اور وہ اسلامی انقلاب کی راہ پر چل نکلیں۔

۲۰ر اکتوبر جمعرات کو فجر کی نماز کے بعد سوال و جواب کی نشست تھی لیکن اس ایک گھنٹہ میں کوئی "متعلق اور مربوط" سوال سامنے نہیں آسکا۔ تاہم بعض سوالوں کے سلسلہ میں امیرِ محترم کی طرف سے مفید باتیں سامنے آئیں۔ ناشتہ کے بعد رفقاء نو بجے پھر جمع ہوئے اور ساڑھے دس بجے تک ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی جناب میاں محمد نعیم صاحب نے نظم جماعت پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ ٹھیک گیارہ بجے محترم ڈاکٹر صاحب پھر تشریف لائے اور ظہر کی اذان تک رفقاء سے تعارف اور مختصر اظہار خیال کا سلسلہ جاری رہا جس کے اختتام پر نو رفقاء نے بیعت کی جن میں سے تین نئے رفقاء تھے اللھم زد فزد۔ نماز ظہر کے بعد دوپہر کے کھانے اور آرام کا وقفہ تھا۔ نماز عصر کے بعد مسجد دارہ بلوچاں میں باقاعدہ کلاس لگی۔ تختۂ سیاہ اور چاک موجود تھے جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے "دینی فرائض کا جامع تصور" کے موضوع پر لیکچر کا آغاز فرمایا اور تین منزلہ تمثیلی عمارت کا نقشہ تختۂ سیاہ پر کھینچا لیکن اُن کے دل میں نہ جانے کیا آئی کہ بیان سے دستکش ہوئے اور جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے بیان کا سرا پکڑا اور لے دوڑے۔ نماز مغرب تک یہ کلاس جاری رہی اور جناب بٹر صاحب نے دینی میدان میں کام کرنے والی مختلف جماعتوں کا جائزہ بھرپور انداز میں پیش کیا۔

اب شام ہوچکی تھی اور رفقاء نے رات کے کھانے کا اہتمام کیا کہ انہیں جامع مسجد فیصل گیٹ پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس لئے کہ وہاں امیر محترم کا خطابِ عام تھا۔ یاد رہے کہ یہ مسجد بر صغیر کے معروف علامہ جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی ہے اور انہوں نے تنظیم اسلامی کی درخواست پر نہایت خوش دلی سے ڈاکٹر صاحب کے خطابِ عام کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر قائم رکھے کہ اب

ایسے کتنے لوگ اس زوال پذیر معاشرہ میں رہ گئے ہیں؟

یہ بیس اکتوبر کی رات کا آغاز تھا جب ہم عشاء کی نماز کے لئے مقامی رفقاء کی رہنمائی میں جامع مسجد فیصل گیٹ پہنچے۔ اللہ اکبر کیا عالیشان مسجد ہے۔ وسیع ' فراخ اور دیدہ زیب...... ہم مسجد کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ امیر محترم داخل ہوئے۔ میں نے بڑھ کر جوتے سنبھالنا چاہئے تو مزاحاً فرمایا۔ "تم پر اعتماد نہیں تم زیادہ ہی انقلابی ہو"۔ اللہ اللہ! میں زیادہ انقلابی کیوں نہ ہوں جبکہ میں ایسے ماحول میں رہتا ہوں جہاں کمیوں کی عزتِ نفس دن میں کئی بار پامال ہوتی ہے۔ جہاں انسان کی تکریم کا نیلام عام ہر آن ہر گھڑی ہوتا ہے وہی انسان جس کے متعلق اس کے خالق و مالک نے فرمایا "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ" میرے لئے ایسا کوئی انقلاب قابل قبول نہیں جس میں انسان کی عزتِ نفس کا تحفظ نہ ہو اور میرے لئے اس انقلاب کا انتظار اشد من الموت ہے لیکن میں اس انقلاب کا انتظار قبر میں بھی کروں گا۔ جس دن وہ انقلاب آ گیا میری قبر میں جنت کی کھڑکی کھل جائے گی۔ بہرحال یہ ایک جملہ معترضہ تھا مسجد کے اندر پہنچنے پر ڈاکٹر صاحب قبلہ تو ایک بغلی کمرے میں جناب سید صاحب سے ملاقات اور قدرے استراحت کے لئے تشریف لے گئے اور ہم مسجد کی زیب و زینت پر سر دھننے لگے۔

ٹھیک پونے آٹھ بجے تنظیم اسلامی کے امیر اور جماعت توحید و سنت کے سربراہ حجرہ سے بر آمد ہوئے۔ جناب سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی امامت میں نمازِ عشاء ادا کی گئی۔ محراب کے سامنے سلیقہ سے بنے ہوئے کشادہ سٹیج سے جناب شمس الحق اعوان نے صدارت کے لئے جناب سید صاحب سے درخواست کی جو انہوں نے کمال مہربانی سے منظور فرمالی۔ بعدہ محترمی ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی گئی کہ وہ اس دن کے موضوع "توحید عملی" پر اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمائیں تلاوت کلام اللہ سے آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا۔

امیر محترم کی تقریر کا آغاز ساڑھے آٹھ بجے شب ہی ممکن ہو سکا۔ اس دوران یہ کشادہ مسجد دور دور تک سامعین سے بھر چکی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے ابتدا میں توحید عملی کے موضوع کو اس طرح پھیلایا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ وہ اسے نصف شب سے قبل سمیٹ نہ سکیں گے لیکن لف و نشر کے نشیب و فراز سے آگاہ اس مردِ حق نے ڈھائی گھنٹہ میں موضوع کو یوں سمیٹا کہ نہ کوئی گوشہ تشنہ رہا اور نہ کہیں بے جا طوالت نظر آئی۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا "تعرف الاشیاء باضدادها" شرک کو سمجھ لیجئے تو توحید سمجھ میں آ جائے گی۔ توحید کا عرفان حاصل کر لیجئے تو شرک کی حقیقت جان لیجئے۔ آپ نے

فرمایا یہ نظری توحید یا توحید فی العقیدہ ہے جو دین کی جڑ اور بنیاد ہے لیکن توحید ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کے ذاتی اعمال وافعال سے لے کر اجتماعی اعمال وافعال تک میں صرف ایک ہی ذاتِ احد کا حکم مانا جائے۔ سیاست ہو یا معیشت...... اقتصاد ہو یا معاشرت...... قانونی مسئلہ ہو یا عائلی الجھن، سرمایہ ومحنت کی آویزش ہو یا زراعت ومضاربت کی کشمکش ہر کہیں، ہر حال اور ہر لحہ اللہ ہی کو حکم مانا جائے تو یہ ہوگی توحید عملی یا توحید فی العمل...... اللہ کے حکم یا دین کی بالادستی ہم پر اُسی طرح فرض ہے جیسے دوسرے ارکان اسلام اور اظہارِ دین کے اس عمل کے لئے جماعت میں منسلک ہونا اتنا ہی لازم ہے جیسے نماز کے لئے وضو...... پھر اس جماعت کا مناسب قوت جمع کر لینے کے بعد فرض ہے کہ وہ طاغوتی اور باطل قوتوں سے ٹکرا جائے اور اس سلسلہ میں مادّی وسائل وذرائع کی کمی کو قطعی خاطر میں نہ لائے کہ یہ بھی ایک عملی شرک ہے۔ بس اللہ پر توکل کرتے ہوئے اور امیر کی اطاعت کرتے ہوئے جہاد کا آغاز کر دے اب یا تو اس کے نتیجہ میں دین غالب ہو جائے گا یا پھر جماعت ختم ہو جائے گی...... دونوں راستے فلاح وفوز کی طرف جاتے ہیں...... اس راہ میں ناکامی کا سنگ میل کہیں نہیں آتا۔

دوڈھائی گھنٹہ کی اس تقریر دلپذیر کے دوران آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ اس کثرت سے حوالے کے طور پر آئیں کہ ڈاکٹر صاحب کے تبحّرِ علمی پر ہم ایسے عامی تو رہے ایک طرف، چوٹی کے علماء تک وجد میں آ گئے اور اس بات کا اظہار جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے اپنی صدارتی، پر اثر اور دھیمی اور مختصر تقریر میں برملا فرمایا۔ اللھم زد فزد۔

قریباً گیارہ بجے ڈاکٹر صاحب نے سید صاحب سے اجازت طلب فرمائی اور اُسی وقت عازم لاہور ہوئے۔

دین کے انتہائی اہم اور بنیادی موضوع

حقیقت و اقسام شرک پر ڈاکٹر اسرار احمد

کے ایک ایک گھنٹے کے چھ لیکچرز جو C-60 کے چھ کیسٹوں میں دستیاب ہیں

ہدیہ پاکستانی کیسٹ -/۱۰۰ روپے (جاپانی کیسٹ) -/۱۹۰ روپے مع محصول ڈاک

نیز سینکڑوں دیگر عنوانات پر مشتمل فہرست طبع شدہ موجود ہے خط لکھ کر طلب فرمائیں

نشر القرآن کیسٹ سیریز

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بقیہ: الہدیٰ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر دلی محبت کا رشتہ قائم ہو اور اگر ہم حضورؐ کے اتباع کی روش اختیار کریں تو یقیناً ہم ایک دوسرے سے بھی قریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ جیسے ایک دائرے کے اندر آپ جتنا بھی مرکزی نقطہ کی طرف آئیں گے اتنا ہی آپس کا فاصلہ بھی کم ہو گا۔ اور جیسے جیسے اس مرکز سے دور ہوتے چلے جائیں گے' ویسے ویسے ایک دوسرے سے بھی فاصلہ بڑھتا چلا جائے گا۔ اس کے ضمن میں اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ پھر وہی جذبۂ ایمان ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ وہ یقین والا ایمان' اللہ پر' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر' اللہ کی نازل کردہ آخری کتابِ ہدایت قرآن مجید پر اور ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا جذبہ ابھر آئے تو اتحاد و اشتراک یقیناً پیدا ہو جائے گا۔ جیسے جگر مراد آبادی نے کہا ہے کہ ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

ڈاکٹر صاحب...... اسلامی معاشرے میں افواہ پھیلانا کیا قابل تعزیر جرم ہے؟

جواب...... یقیناً اس کے ضمن میں سزائیں معین کی جا سکتی ہیں اور جیسا کہ آپ نے لفظ تعزیر استعمال کیا ہے تو تعزیرات اصل میں انہی اسلامی سزاؤں کو کہتے ہیں جن کو باہمی مشورے سے حالات کے تقاضوں کے تحت ایک اسلامی ریاست خود طے کر لے' اگرچہ بعض قسم کی تہمتوں کے بارے میں تو شریعت میں حد بھی مقرر ہے۔ جیسے اگر کسی پر بدکاری کی تہمت لگائی گئی ہو تو تہمت لگانے والے فرد کو اسی کوڑے لگانے کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح اگر جھوٹی گواہی دی گئی ہے تو اُس کی سزا بھی شریعت میں مقرر ہے۔ اسی طریقہ سے ان اصولوں پر قیاس کرتے ہوئے غلط خبر گھڑنا یا غلط خبر کو پھیلانا' ان کے بارے میں بھی ہم اپنے قانون میں کچھ سزائیں تجویز کر سکتے ہیں۔

حضرات! آج ہمارے سامنے مسلمانوں کی حیاتِ ملّی کی شیرازہ بندی کو محکم رکھنے کے ضمن میں قرآن مجید کی دو اہم ہدایات و تعلیمات آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخرت پر ایمان (قسط نمبر ۳)

محمد غوری صدیقی

دنیا کی چوتھی حیثیت..... چونکہ انسان نے جو بننا اور بنانا ہے اسی دنیا میں اور ایسی مختصر زندگی میں بننا اور بنانا ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے دنیا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ انتہائی قیمتی ہے اور ایک ایک چیز توشۂ آخرت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین کی فکر میں ایک گھڑی کا غور و فکر ستر سال کی بے ریا عبادت سے بڑھ کر ہے۔ ہم کو دنیا کے وقت کی قیمت کا اندازہ لگانا دشوار ہو جاتا ہے دنیا کی اس حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے تو مومن در حقیقت وقت کا سب سے بڑا قدر دان ہوتا ہے۔ جیسا سورۂ مؤمنون میں مومن کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ وقت کے حساب سے اور مال کی ضمن میں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ○

"اور وہ (مومن) لغو کاموں سے بچنے والے ہوتے ہیں اور وہ لوگ تزکیہ (کردار کی صفائی) پر ہمیشہ کاربند رہتے ہیں۔" آخرت اور دنیا کی زندگی اور اس کی کوششوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل)

جو کوئی چاہتا ہے دنیا (اور اس کے فائدے) تو ہم اس کو اسی میں جتنا ہم جس کے لئے چاہیں گے اتنا دے دیں گے۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم بنائی ہے اس میں ڈالا جائے گا ملامت زدہ ہو کر اور جو چاہے گا آخرت (کی بھلائیاں) اور کرے گا اس کے لئے کوشش اور وہ صاحب ایمان بھی ہوا تو اس کی کوشش ٹھکانے لگی یعنی کامیاب ہوئی۔

یعنی دنیا کے طالبوں کو ضروری نہیں ہے کہ ان کی محنت کے مطابق اور ہر ایک کو دنیا کے

فائدے مل جائیں۔ یہ اللہ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے کہ جس کو چاہیں گے اور جتنا چاہیں گے عطا کر دیں گے لیکن پھر ان کے لئے جہنم میں ہی رہنا مقدر ہو گا۔ البتہ مومن جو آخرت کے لئے رات دن خون پسینہ ایک کرتا ہے اس کو اس کی محنتوں اور قربانیوں کا بھرپور بدلہ دینے کی بشارت ہے۔

دنیا کی زندگی آخرت کے لحاظ سے جتنی اہم ہے قیمتی ہے حضورؐ کی احادیث سے بھی واضح ہے۔ "اَلدُّنیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ" (حدیث نبویؐ)

دنیا آخرت کی کھیتی ہے یعنی جو یہاں بو یا وہی کاٹنا ہے۔ دنیا کی زندگی کو آخرت کے بنانے اور سنوارنے کے لئے استعمال کیا جائے تو انسان اپنے خول سے نکل کر اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود میں لگتا ہے۔

دنیا میں مومنین کا طرزِ عمل......

ہر صاحب ایمان کو عموماً اور اسلامی انقلاب کی راہ میں جدوجہد کرنے والے اصحاب عزیمت کے لئے خصوصاً دنیا کی محبت دل سے نکالنا اور آخرت کی محبت پیدا کرنی ہو گی۔ دنیا و آخرت کے لئے سعی و محنت کا تناسب بھی تقریباً وہی رکھنا ہو گا جو کہ ان دونوں میں ہے۔ دنیا کی محبت اور اس کے متعلقات سے دل لگانا ہی دراصل گمراہی کی سب سے بڑی اور اصل وجہ ہے اسلامی انقلاب کے مجاہدوں کو سب سے پہلے اپنی سوچ میں یہ انقلاب پیدا کر کے اور آخرت کو پیش نظر رکھ کر اپنی شخصیت میں انقلاب پیدا کرنا ہو گا اور اس بات کو ہردم مدنظر رکھ کر کہ

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (القیامہ)

ہرگز نہیں (اے لوگو تمہاری اصل گمراہی یہ ہے کہ) عاجلۃ (دنیا) سے محبت کرتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (سورۃ الاعلیٰ)

بلکہ اصل بات (گمراہی کی) یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

جو لوگ دنیا کی محبت میں گم ہو کر اللہ اس کے رسولؐ اور اس کے دین کی راہ میں جہاد کی

محبت کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو فاسق کہا ہے۔ سورۂ توبہ آیت نمبر ۲۴ میں ارشاد ہے جو کہ ہر مسلمان خصوصاً اقامت دین کا عزم رکھنے والوں کے لئے ایک ہمہ وقتی کسوٹی ہے اپنا جائزہ لیتے رہنے کے لئے اور دنیا کی گرفت سے اس کے سنہری جالوں سے بچنے کے لئے بھی۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٰاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(التوبہ آیت نمبر ۲۴)

دنیا اور اس کی یہ آٹھ محبتیں ایک طرف اور دوسری طرف اللہ اس کے رسولؐ اس کے دین کیلئے جہاد کی محبت درمیان میں ہر انسان کھڑا امتحان میں مبتلا ہے کہ ۔

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

آخرت کی کیفیت یا مراحل......

آخرت کے لفظ میں عالم برزخ (یا قبر)، قیامت، حشر نشر، حساب کتاب اور جنت و دوزخ (اور ان میں داخلہ) سب مرحلے داخل ہیں۔ ایک حدیث میں تصریح ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ آنحضورؐ کی تعلیم نے اس آئندہ زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ایک موت سے قیامت تک دوسرا قیامت سے ابد تک کہ جس میں پھر موت اور فنا نہیں ہے۔ پہلے دور کا نام برزخ اور دوسرے کا نام بعث (جی اٹھنا) یا حشر نشر (اکھٹے کئے جانا) اور قیامت (کھڑا ہونا) ہے۔ لیکن ان سب سے مقصود ایک ہی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ موجودہ زندگی کے خاتمے کے بعد دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی ہے۔ اور موجودہ زندگی کے اصلی اور دائمی نتائج اسی دوسری زندگی میں نکلیں گے۔ حضورؐ کی ایک بہت پیاری حدیث کا ٹکڑا اس ضمن میں حرف آخر ہے۔

واللہ لتموتن کما تنامون ثم لتبعثن کما تستیقظون ثم لتحاسبن بما تعملون ثم لتجزون بالاحسان احسانا وبالسوء سوءً وانها

لجنة ابدا اولنار ابدا
"اللہ کی قسم تم سب لازماً مر جاؤ گے جیسے روزانہ سوجاتے ہو۔ اس کے بعد تم کو لازماً دوبارہ زندہ کیا جائے گا جیسے روزانہ جاگتے ہو۔ پھر لازماً تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور پھر لازماً تم سب کو بدلہ دیا جائے گا نیکی کا نیک اور برائی کا برا اور وہ ہمیشگی جنت یا ہمیشہ کی آگ ہو گی"۔

عالم برزخ میں ارواح انسانی کا مقام اور مسکن......

سورۂ اعراف میں مذکور ہے کہ فرشتے جب منکرین حق سے سوال و جواب کر چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں۔

سورۂ اعراف کی آیت ۴۰ میں ہے

"بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کو ماننے سے غرور کیا ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے" (یعنی کبھی نہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں' دین کے دشمنوں اور جھٹلانے والوں کی ارواح مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کی حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی۔ حضورؐ کی حدیث مبارک ہے کہ "قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنادی جاتی ہے (نیکو کاروں اور مجاہدوں کے لئے) اور یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنادی جاتی ہے" (نافرمانوں اور منکرین کے لئے)

اس کے بر خلاف پاکباز مومن روح کا یہ حال ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی رحمت الٰہی کا فرشتہ بلکہ خود میزبان رحمت اس کے کانوں میں یہ مژدۂ جانفزا سناتی ہے اور رس گھولتی ہے۔

سورۃ الفجر میں ہے

"اے نفس مطمئنہ (اے نیکو کار انسان) (جو دنیا میں اللہ کی محبت میں مگن رہا) لوٹ آ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

ان سے بھی بڑھ کر وہ پاکباز ارواح ہیں جنہوں نے اپنے خاکی جسموں' فانی زندگیوں' مادی خوشیوں اور عارضی راحتوں کو خدا کی راہ میں' اس کے دین کی سربلندی اور اقامت دین

کے لئے قربان کیا۔ باطل قوتوں اور باطل نظام سے ٹکرا گئیں تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کی حکمرانی ہو جائے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مثالی جسم، غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لازوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے۔ فرمایا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ "اور جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہو جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے"۔

یہ پر مسرت زندگی جو اسلام اور اقامت دین کے مجاہدوں کو ملے گی جنہوں نے کشمکشِ حق و باطل میں سینہ سپر ہو کر جان کا نذرانہ پیش کر دیا کیسی ہو گی اس کی تفصیل سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹ سے ۱۷۱ میں ہے جس کا ترجمہ ہے:

"اور تم نہ سمجھو ان لوگوں کو مردہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔ وہ خوش ہوتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا اور خوشی حاصل کرتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان تک نہیں پہنچے ان کے پیچھے سے۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو کوئی غم ہے۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمتوں اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

یہ پر مسرت زندگی شہداء کو ملے گی۔ اس زندگی کا مقام "رب کے پاس" بتایا گیا ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان شہیدوں کی روحیں قفس عنصری (جسم) سے پرواز کر کے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں۔ اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں۔ (بعض وہ سعید اور خوش نصیب روحیں ہیں جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت جعفر طیارؓ کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنے دونوں بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے۔ عالم برزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت ان کے ان دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو میدان جہاد میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے اور اس حالت میں بھی انہوں نے اسلام کے علم (جھنڈے) کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازوؤں اور گردن کے سہارے بلند اور قائم رکھا تھا حتیٰ کہ شہید ہو گئے) حضورؐ کی حدیث مبارکہ ہے کہ "شہید کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اس کو اس کی جنت دکھا دی جاتی ہے۔

قیامت اور حشر نشر

قیامت اور روز حشر تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اکٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ نفسی نفسی کا

عالم طاری ہو گا۔ ہر شخص اپنے گناہوں کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہو گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تمام انسان مرد و زن ننگے ہوں گے لیکن کسی کو کسی کا ہوش نہ ہو گا۔ اس دن تمام زمینی رشتے ختم ہو جائیں گے۔

سورۃ معارج آیت ۱۰ تا ۱۴ میں ہے جس کا ترجمہ ہے:

"کوئی جگری دوست نہ پوچھے گا دوست کو حالانکہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ اس دن مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کی خاطر فدیہ میں دے دے اپنے بیٹے 'اپنی بیوی اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جتنے بھی زمین پر ہیں سب کو اور پھر خود کو بچالے"

سورۃ المزمّل میں فرمایا یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ○ "وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دینے والا ہو گا" اس دن فرمانبردار اور نیکو کار لوگوں اور نافرمانوں اور بد کاروں کا نتیجہ ان کے چہروں پر ظاہر ہو گا

سورۃ قیامہ آیت ۲۲ تا ۲۴

"کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کچھ چہرے اس دن اداس اور بجھے ہوئے ہوں گے اور خیال کرتے ہوں گے کہ آج ان کے ساتھ کمر توڑ دینے والا سلوک ہونے والا ہے"۔

"یَقُوْلُ الْکَافِرُ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا ○

اس دن کافر پکار اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی کاش ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے ہوتے یَقُوْلُ یَالَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ

بے عمل 'غافل انسان حسرت سے کہیں گے۔ کہ ہائے ہماری بد بختی کاش ہم نے اپنی زندگی کے لئے کچھ (نیک اعمال) آگے بھیجے ہوتے"

سورۂ انشقاق آیت ۷ تا ۹ میں ہے۔

"پس جس کو اعمال نامہ ملا داہنے ہاتھ میں تو اس کا حساب ہو گا آسان اور وہ لوٹے گا اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش۔ اور جس کو ملا بائیں ہاتھ میں اس کا نامہ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے تو موت موت پکارے گا اور گرے گا آگ میں" حضرت ابو بکر صدیقؓ اس دن سختی کے خیال سے کانپا کرتے تھے کہا کرتے تھے کہ کاش میں گھاس کا تنکا یا چڑیا ہوتا تا کہ محاسبہ سے بچ جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز حشر ابن آدم کے قدم ہلنے نہ دیئے جائیں گے جب

تک وہ پانچ باتوں کا جواب نہ دے دے گا۔
(۱) عمر کن کاموں اور مشغلوں میں لگائی۔
(۲) خصوصاً جوانی کا حصہ کیسے گذارا
(۳) مال کن طریقوں سے کمایا حلال یا حرام
(۴) مال کن راستوں پر خرچ کیا
(۵) علم (دین کا) کتنا حاصل کیا اور آگے کتنا پہنچایا

سورۂ حدید میں مذکور ہے کہ ایک سخت مرحلے (ہو سکتا ہے کہ پل صراط) سے گزرتے ہوئے مومنین کے ایمان اور اعمال کا نور ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ اور کامیابی تک پہنچادے گا۔

سورۂ حدید آیت نمبر ۱۲ اور ۱۳ میں ہے

"اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور عورتوں کے آگے اور داہنے طرف ان کا نور دوڑتا ہو گا۔ خوش خبری ہے آج کے دن تم کو (کہا جائے گا) آج تمہارے لئے باغات ہیں جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں۔ یہ عظیم کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد و عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ذرا ہم کو بھی اپنے نور کی روشنی سے فائدہ اٹھا لینے دو کہا جائے گا کہ (ہو سکے تو) واپس لوٹ جاؤ (دنیا میں) اور وہاں یہ روشنی ڈھونڈو ان کے درمیان ایک فصیل کھڑی کر دی جائے گی جس میں ہو گا دروازہ اس کے اندر رحمت ہو گی اور اس کے باہر عذاب ہو گا۔"

بقیہ: ایک خط اور اس کا جواب

میرے بیان سے آپ کو طنز کے تیر نکلتے نظر آئے تو کچھ غلط نہیں۔ خدارا انصاف کیجئے! جو لوگ غلط پٹیاں پڑھا کر اور بڑھاوے دے کر بھلے مانس لوگوں کو غلط فہمی کی دلدل میں پھنسا آئے' انہیں طنز کے نشتر سے بھی واسطہ نہ پڑے؟ کیا انہیں تمغے دیئے جائیں گے؟...... بایں ہمہ آپ میرے لئے دعا کرتے رہیئے اور گاہے گاہے رہنمائی بھی فرمایئے۔ سوز دروں میں کمی آئی تو تحریر میں سے یہ عیب ویسے بھی کم ہوتا ہی چلا جائے گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا وہ حق شناسی ہے' لیکن اس کا منطقی تقاضا یہ بھی تو ہے کہ ان کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔

والسلام مع الاکرام
خاکسار اقتدار احمد عفی عنہ

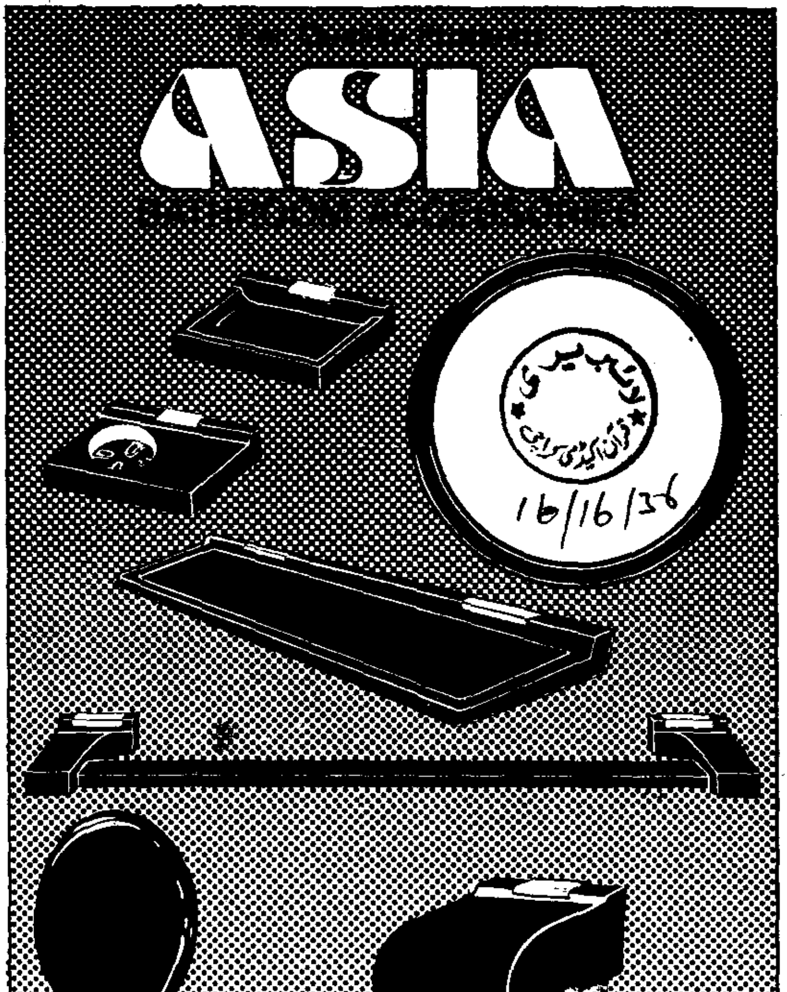
ASIA
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

ایک خط اور اس کا جواب

محترم ومکرم جناب اقتدار احمد صاحب

السلام علیکم۔ میں ماہنامہ میثاق اور ہفت روزہ ندا کا مستقل قاری ہوں۔ آپ کے تبصرے میری خصوصی توجہ کا "ہدف" بنتے ہیں۔ آپ کی ہر تحریر خلوص' للٰھیت اور جوش وجذبہ سے لبریز ہوتی ہے۔ تاہم اکتوبر کے میثاق کا عرض احوال پڑھتے ہوئے یہ احساس ہوا کہ آپ بعض محاورات اور روزمرہ کے استعمال میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد کی طرح احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ جو آپ ایسے ثقہ صحافی کو زیب نہیں دیتا۔ کچھ مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

لنگر لنگوٹ کس کر' مثلہ۔ ڈاکٹر اسرار احمد خود تو اس "چکر" میں پڑے ہی نہ تھے۔ یا ڈاکٹر اسرار احمد منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر بیٹھے رہیں۔ شق (پیرا نمبر ۴) کی تحریر طنز وتشنیع کے تیروں سے چھلنی کرنے والی ہے۔ دھوکے کی ٹٹی۔ دوسروں کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ آپ کی تحریریں ایسے دلآزار الفاظ ومحاورات سے پاک ہوں گی۔ امید ہے آپ ایک نادیدہ مخلص متعلم کی صاف گوئی کا برا نہ مانیں گے۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے قومی وسیاسی تاریخ کے تناظر میں مذہبی وسیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کو بروقت صائب مشورے دیئے ہیں۔ صاحب موصوف بجا طور پر مذہبی جماعتوں کی فرقہ وارانہ سیاست کے خلاف قلمی جہاد کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس وقت جس مقام پر ہیں۔ اس کا تقاضا ہے کہ قوم ان کی باتیں گوش ہوش سے سنے اور ان پر کان دھرے بلاشبہ ڈاکٹر صاحب پاکستان کے بزرگ مذہبی رسیاسی سٹیٹس مین ہیں۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ محترم پروفیسر غازی احمد اب ڈاکٹر صاحب کے دست وبازو بن گئے ہیں۔

والسلام محمد اکرم طاہر

ڈائریکٹر ادارہ تربیت اساتذہ وتحقیق میرپور

محترم جناب محمد اکرم طاہر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

قرائن سے اندازہ ہوا کہ آپ میرے بزرگ ہیں لہٰذا میرا جواب بہت مؤدبانہ ہونا

چاہیے۔ تاہم کہیں کوتاہی ہوجائے تو معاف فرمادیجئے گا۔

میری تحریروں کا آپ کی توجہ کا ہدف بننا میرے لئے ایک اعزاز ہے اور ان میں اگر خلوص اور جوش و جذبہ آپ نے پایا تو یہ داد بھی میرے رہوار قلم کو مہمیز کا کام دے گی۔ البتہ للّٰہیت کا معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ لکھتا تو اسی امید پر ہوں کہ میرے قلم کی کاوش شرف قبولیت پائے گی' دعا فرمایئے کہ یہ کاوش میرے نفس کو عُجب کی ہلاکت میں ڈالنے کی بجائے توشۂ آخرت فراہم کرے۔

آپ خود ماشاء اللہ صاحب ذوق اور قلم کے دھنی ہیں لیکن شاید اس طرف آپ کی توجہ مبذول نہیں ہوئی کہ "میثاق" میں میری تحریر کا عنوان ہی "عرض احوال" ہوتا ہے۔ اور کوئی دکھی دل اپنا حال بیان کر رہا ہو تو اسے زبان و بیان کے قواعد و ضوابط کی باریکیوں اور محاورات و روزمرہ کے استعمال میں ضرورت سے بھی زیادہ احتیاط کا پابند بنانا آہ و فغاں سے سُر تال کی لطافت کے تقاضے کے مترادف ہے۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد محاورات اور روزمرہ کے استعمال میں احتیاط کا دامن کیسے ہاتھ سے چھوڑتے تھے' اس وقت ذہن میں مستحضر نہیں لیکن مجرد ان کے ساتھ نسبت ہی میرے لئے تعجب کا باعث ہوئی۔ کہاں مولوی نذیر احمد جیسے لوگوں کی تحریریں جن کا شمار اردو زبان و ادب کے مربّیوں میں ہوتا ہے اور کہاں اس مبتدی کی مشقیں۔ کجا رام رام کجا ٹیں ٹیں! اور یہ میں ثقہ صحافی کب سے قرار پایا؟۔ "ندا" میں ہی انتظار حسین کا ایک کالم چھپا تھا کہ کچھ لکھنے والے صحافت میں ادب بھگارتے ہیں اور کچھ ادب میں صحافت کی جولانیاں دکھاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا شمار نہ صحافیوں میں ہوتا ہے' نہ ادیبوں میں۔ میرا حال ایسے لوگوں سے مختلف نہیں۔ ہاں متانت و ثقاہت کا مجھے ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارے دین کا مزاج یہی ہے۔

آپ کے توجہ دلانے کے باوجود مجھے ان محاوروں اور روزمرہ کے استعمال میں ابتذال یا دلآزاری کا کوئی پہلو نظر نہ آیا جو اس تحریر میں آئے ہیں۔ یقین مانیئے میں نے انہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کے نکالا نہ تھا' روانی میں از خود نوک قلم پہ چلے آئے۔ حالات و واقعات کے تیزی سے گردش کرتے ہوئے پہیّے کا ذکر کر کے اگر میں نے یہ لکھا کہ "ڈاکٹر اسرار احمد خود تو اس چکر میں پڑے ہی نہ تھے" تو پہیّے اور چکر میں لفظی و معنوی مناسبت ظاہر ہے۔ (ویسے میں نے چکر کو واوین میں نہ رکھا تھا جیسا کہ آپ نے کیا اور اس سے بڑا فرق واقع ہو جاتا ہے)۔ پچھلے عام انتخابات کے ضمن میں اسلام پسند صحافیوں اور دانشوروں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے

(باقی صد ۹۱ پر)

ھر قسم کے بال بیئرنگز کے مرکز

سندھ بیرنگ ایجنسی ۔ ۶۵۰ ۔ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز ۔ کراچی ۔ فون: ۷۲۳۳۵۸
۷۲۱۱۷۲
خالد ٹریڈرز ۔ بالمقابل کے ۔ ایم ۔ سی ورکشاپ ۔ نشتر روڈ ۔ کراچی
فون: ۷۳۵۸۸۲ — ۷۳۲۹۵۲ — ۷۳۰۵۹۵

(1135)

ایک مسنون دُعا

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ
وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّيَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْكَذِبِ
وَاَعْيُنَنَا مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ
الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ۔

ترجمہ

اے اللہ ہمارے دِلوں کو نفاق سے پاک کر دے اور ہمارے اعمال کو ریا سے اور ہماری زبانوں کو جھوٹ سے اور ہماری آنکھوں کو خیانت سے تجھ پر روشن ہیں آنکھوں کی چوریاں بھی اور دل جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں۔

***

عطیہ اشتہار

میاں عبدُ الواحِدُ
نجگوان سٹریٹ، پُرانی انارکلی، لاہور

Jawad®
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

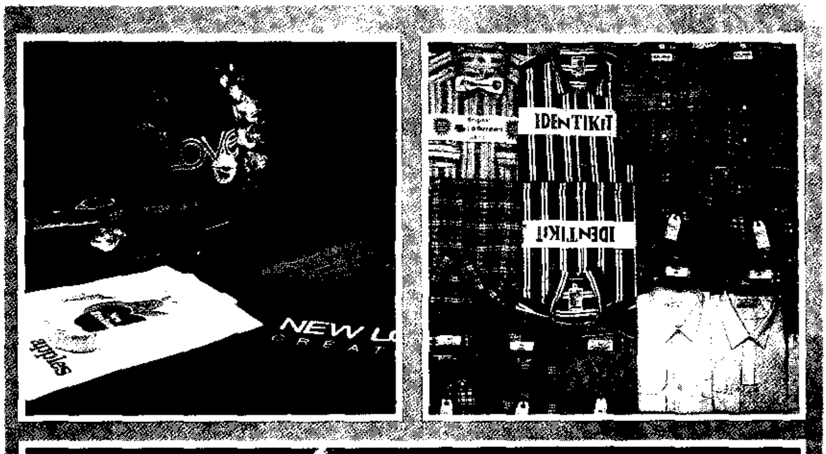

For furtner details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV/C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 37 No. 12
DECEMBER 1988